پنچ تنتر کی کہانیاں

پہلا حصہ

پنچ تنتر کی کہانیاں

پہلا حصہ





کہانیاں

مصنّف : شیوکمار
آرٹسٹ : پُلک بسواس
ترجمہ : اطہر پرویز

قیمت : ـــــــــــ ۵ روپے ۷۵ پیسے
بار اوّل : ـــــــــــ ۱۹۷۳
تعداد : ـــــــــــ ۳ ہزار

پبلشرز : چلڈرنس بک ٹرسٹ، نہرو ہاؤس، ۴ بہادر شاہ ظفر مارگ نئی دہلی
برائے ترقی اُردو بورڈ ، وزارتِ تعلیم ، حکومت ہند
پرنٹر: ـــــــــــ اِندر پرستھ پریس ، نئی دہلی

پیش لفظ

مجھے مسرّت ہے کہ چلڈرن بُک ٹرسٹ پہلی بار پنچ تنتر کا پہلا حصّہ رنگین تصویروں کے ساتھ شائع کر رہا ہے۔ ہمارے ملک میں اس طرح کی کم قیمت کتاب وسیع پیمانے پر پہلی بار شائع ہو رہی ہے۔ مجھے یقین ہے کہ تمام بچّے اور ان کے والدین اس کتاب کو پسند کریں گے۔ میری خواہش ہے کہ یہ کتاب مقبول ہو۔

چلڈرن بُک ٹرسٹ نے بہت سی کتابیں چھاپنے کا کام شروع کیا ہے چنانچہ یہ عوام اور حکّام دونوں ہی کے تعاون اور تعریف کا مستحق ہے۔

دستخط

ذاکر حسین

نائب صدر جمہوریہ ہند

نئی دہلی

۲۸ ستمبر ۱۹۶۵ء

بندر اور مگرمچھ



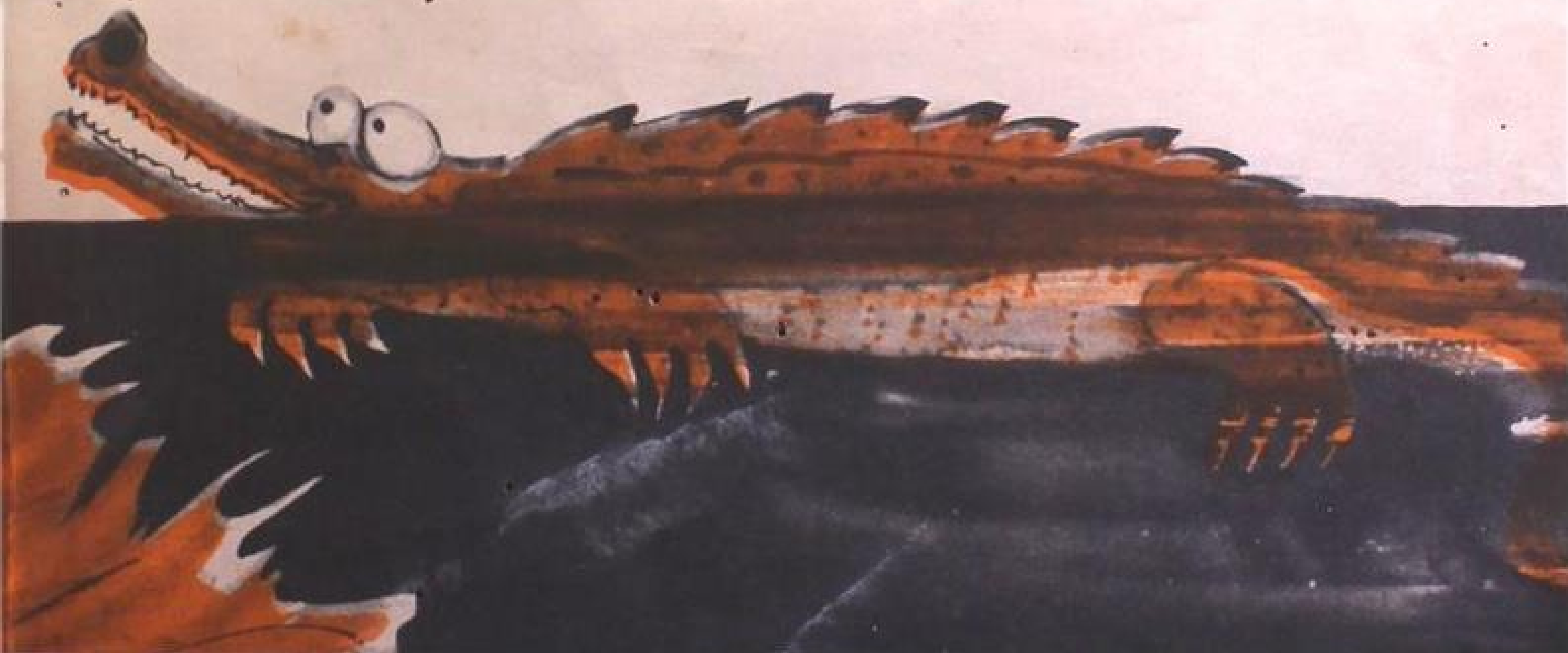


ایک ندی کے کنارے، ایک بہت بڑے پیڑ پر ایک بندر رہتا تھا۔ یہ پیڑ سدا بہار تھا۔ سال بھر پھل دیتا تھا۔ یہ پھل بڑے بھی ہوتے تھے اور رسیلے بھی۔ بندر خوب مزا لے لے کر ان کو کھاتا اور عیش کرتا۔ وہ اکیلا اپنے دن ہنسی خوشی گذارتا۔

ایک دن ایک مگرمچھ تیرتا ہوا ندی کے کنارے آیا۔ بندر نے اس سے پوچھا۔ "تم کون ہو بھائی اور کہاں سے آرہے ہو؟"

مگرمچھ نے کہا۔ "میں مگرمچھ ہوں۔ بڑی دور سے آیا ہوں۔ میں تو دن بھر کھانے کی تلاش میں گھومتا رہتا ہوں۔"

بندر نے کہا۔ "ہمارے یہاں تو کھانے کی کوئی کمی نہیں۔ اسی پیڑ پر ڈھیروں پھل ہوتے ہیں۔ تم بھی چکھ کر دیکھو۔ تم کو اچھے لگیں تو میں اور دوں گا اور جتنا جی چاہے کھاؤ۔" یہ کہہ کر بندر نے کچھ پھل توڑ کر مگرمچھ کی طرف پھینکے۔



مگرمچھ نے انھیں چکھ کر کہا۔" واہ یہ تو بڑے مزیدار پھل ہیں۔"
بندر نے اور بہت سے پھل گرادیئے۔ مگرمچھ انھیں بھی چٹ کرگیا اور بولا۔" کل اگر پھر آؤں تو اور کھلاؤ گے؟"
بندر نے کہا۔" کیوں نہیں؟ روزانہ آؤ اور جتنا جی چاہے کھاؤ۔"
مگرمچھ اگلے دن آنے کا وعدہ کرکے چلا گیا۔

دوسرے دن مگرمچھ پھر آیا۔ اس نے پھر پیٹ بھر کر پھل کھائے اور بندر سے خوب مزے مزے کی باتیں کرتا رہا۔ بندر اکیلا تو تھا ہی۔ اسے ایک دوست مل گیا۔ وہ بہت خوش ہوا۔

اب تو مگرمچھ روز آنے لگا۔ دونوں پیٹ بھر کر پھل کھاتے اور بڑی دیر تک بات چیت کرتے رہتے۔

ایک دن یوں ہی باتوں باتوں میں بندر نے کہا۔ "مگرمچھ بھائی! دنیا میں میں اکیلا ہوں — اکیلا — میرا کوئی بھی نہیں ہے —"

مگرمچھ نے بات کاٹ کر کہا۔ "بندر بھائی! میں تو اکیلا نہیں ہوں۔ میرے تو ایک بیوی بھی ہے جو گھر پر رہتی ہے۔ میرا گھر ندی کے دوسرے کنارے پر ہے۔"

بندر نے کہا۔ "تم نے پہلے کیوں نہیں بتایا؟ تم نے کہا ہوتا تو میں پہلے ہی بھابی کے لئے کچھ بھیجتا۔"

جب مگرمچھ جانے لگا تو بندر نے اس کی بیوی کے لئے تھوڑے سے پھل ساتھ کر دیئے۔ مگرمچھ کی بیوی کو یہ رسیلے پھل بہت پسند آئے۔ اُس نے مگرمچھ سے کہا "میرے لئے روزانہ یہی رسیلے پھل لایا کرو۔"

بندر اور مگرمچھ میں بڑی گہری دوستی ہوگئی۔ مگرمچھ روزانہ بندر سے ملنے کے لئے جاتا — خود بھی جی بھر کر پھل کھاتا اور اپنے ساتھ بھی لے جاتا۔

مگرمچھ کی بیوی کو یہ پھل تو اچھے لگتے تھے لیکن بندر کی دوستی ایک آنکھ نہ بھاتی تھی۔

ایک دن اس نے کہا۔" مگرمچھ اور بندر میں بھی کہیں دوستی رہی ہے۔ مگرمچھ تو بندر کو مار کر کھا جاتے ہیں۔ تم ضرور جھوٹ بولتے ہو۔"

مگرمچھ نے کہا۔" میں سچ کہتا ہوں۔ یہ بندر بہت اچھا ہے۔ بے چارہ روزانہ تمہارے لئے اتنے بہت سے پھل بھیجتا ہے۔ اگر بندر سے دوستی نہ ہوتی تو میں یہ پھل کہاں سے لاتا۔ میں خود تو پیڑ پر چڑھ نہیں سکتا۔"

مگرمچھ کی بیوی نے سوچا۔" اگر یہ بندر روزانہ اتنے مزیدار پھل کھاتا ہے تو اس کا گوشت بھی بڑا مزیدار ہوگا۔"

یہ سوچ کر اس نے مگرمچھ سے کہا۔" ایک دن تم بھی اپنے دوست کو اپنے گھر آنے کی دعوت دو۔ میرا بھی جی چاہتا ہے کہ اس سے ملوں۔"

مگرمچھ نے کہا۔" مگر وہ تو خشکی میں رہنے والا جانور ہے۔ پانی میں کیسے تیرے گا؟"
اس کی بیوی نے کہا۔" تم اس کو دعوت تو دو۔ بندر بڑا چالاک جانور ہے۔ وہ یہاں آنے کی کوئی نہ کوئی ترکیب ضرور کرلے گا۔"

مگرمچھ بندر کو دعوت نہیں دینا چاہتا تھا۔ اس کی بیوی روزانہ اس سے پوچھتی، "یہ بتاؤ بندر کو کب لاؤگے۔" کوئی نہ کوئی بہانہ بناکر مگرمچھ اسے ٹال دیتا۔

مگرمچھ کی بیوی نے سوچا کہ اس طرح کام نہیں چلے گا۔ اس کی سمجھ میں ایک ترکیب آئی۔ اس نے ایک دن اپنی بیماری کا بہانہ کیا، اور مگرمچھ سے بولی۔" میں بہت بیمار ہوں۔ جب تک میں بندر کا کلیجہ نہیں کھاؤں گی، اچھی نہ ہوسکوں گی۔"

"بندر کا کلیجہ؟" مگرمچھ نے حیران ہوکر پوچھا۔

مگرمچھ کی بیوی نے کراہتے ہوئے کہا۔" ہاں —— بندر کا کلیجہ —— اگر تم چاہتے ہو کہ میں بچ جاؤں تو اپنے دوست بندر کا کلیجہ لاکر مجھے کھلاؤ۔"

مگرمچھ حیران رہ گیا۔ اس نے بڑے غمگین لہجے میں کہا۔" بھلا یہ کیسے ہوسکتا ہے۔ وہی تو میرا ایک دوست ہے۔ میں کیسے اس کے ساتھ دشمنی کروں۔"

اس کی بیوی نے کہا۔" اچھی بات ہے اگر تم کو اس کی دوستی زیادہ پیاری ہے، تو تم اس کے پاس ہی جاکر رہو۔ تم تو چاہتے ہو کہ میں مرجاؤں۔"

اب تو مگرمچھ بڑی اُلجھن میں پڑگیا۔ یہ بات اس کی سمجھ میں نہیں آرہی تھی کہ کرے تو کیا کرے۔ اگر وہ بندر کا کلیجہ لائے تو اس کا دوست مارا جائے گا اور نہیں لاتا تو اس کی بیوی

کی جان جاتی ہے۔ وہ آنکھ میں آنسو بھرتے ہوئے بولا۔" میرا ایک ہی تو دوست ہے۔ میں اس کی جان کیسے لے سکتا ہوں۔ تم ہی بتاؤ۔"

اس کی بیوی نے کہا۔" تو کیا ہوا۔ تم ٹھہرے مگرمچھ۔ مگرمچھ تو جان لیتا ہی ہے۔"

مگرمچھ کی آنکھوں سے آنسو ٹپکنے لگے۔ اس کی عقل کام نہیں کر رہی تھی۔

تھوڑی دیر کے بعد وہ بندر کے پاس گیا۔ بندر تو مگرمچھ کا انتظار ہی کر رہا تھا۔ اس نے پوچھا ——" ارے دوست! آج کیوں اتنی دیر ہو گئی —— سب خیریت تو ہے۔"



مگرمچھ نے کہا۔" میرا اور میری بیوی کا جھگڑا ہوگیا ہے۔ وہ تم سے ملنا چاہتی ہے۔ وہ مجھ سے کہہ رہی تھی کہ میں تم کو اپنے ساتھ لیتا آؤں۔ اگر تم میرے ساتھ نہیں چلوگے تو وہ مجھ سے بہت لڑے گی۔"

بندر نے ہنس کر کہا۔" بس اتنی سی بات ہے۔ میں تو خود بھابی سے ملنا چاہتا ہوں۔ لیکن سوال یہ ہے کہ میں پانی میں چلوں گا کیسے۔ میں تو ڈوب جاؤں گا۔"

مگرمچھ نے کہا۔" تم اس کی فکر مت کرو۔ میں تم کو اپنی پیٹھ پر بٹھا کر لے جاؤں گا۔"

بندر چلنے کے لئے راضی ہوگیا۔ وہ پیڑ سے اُترا اور اُچھل کر مگرمچھ کی پیٹھ پر سوار ہوگیا۔

جب مگرمچھ ندی کے بیچوں بیچ پہنچا تو آگے جانے کے بجائے پانی میں نیچے اُترنے لگا۔ بندر ڈر گیا اور بولا۔" یہ کیا کر رہے ہو مگرمچھ بھائی۔ ذرا اور نیچے اُتروگے تو میں مر جاؤں گا۔"

مگرمچھ نے کہا۔" بھائی بات یہ ہے کہ میری بیوی بہت بیمار ہے اور اس کا ایک ہی علاج ہے۔ اگر اُسے بندر کا کلیجہ کھلاؤں گا، تب ہی وہ بچے گی۔ یہاں کوئی اور بندر تو ہے نہیں۔ میں تم کو مار کر تمہارا کلیجہ اپنی بیوی کو کھلاؤں گا۔"

اب تو بندر سمجھ گیا کہ بس چالاکی سے ہی اپنی جان بچائی جاسکتی ہے۔ اس نے کہا۔" میرے دوست، یہ تم نے پہلے ہی کیوں نہیں بتایا؟ میں تو بھابی کو بچانے کے لئے خوشی خوشی اپنا کلیجہ دے دوں گا۔ لیکن وہ تو اُسی پیڑ پر رکھا ہے۔ میں اُسے وہیں رکھتا ہوں۔ اِس وقت تو میں اُسے اپنے ساتھ لانا بھی بھول گیا۔ تم نے اُسی وقت کہا ہوتا تو میں لے آتا۔"



مگرمچھ نے کہا۔" چلو واپس چلیں۔ پیڑ پر سے فوراً اپنا کلیجہ لے آنا۔ اگر دیر لگی تو میری بیوی کی بیماری بڑھ جائے گی۔"

مگرمچھ لوٹا اور بڑی تیزی سے تیرتا ہوا ندی کے کنارے پیڑ کے پاس پہنچا۔



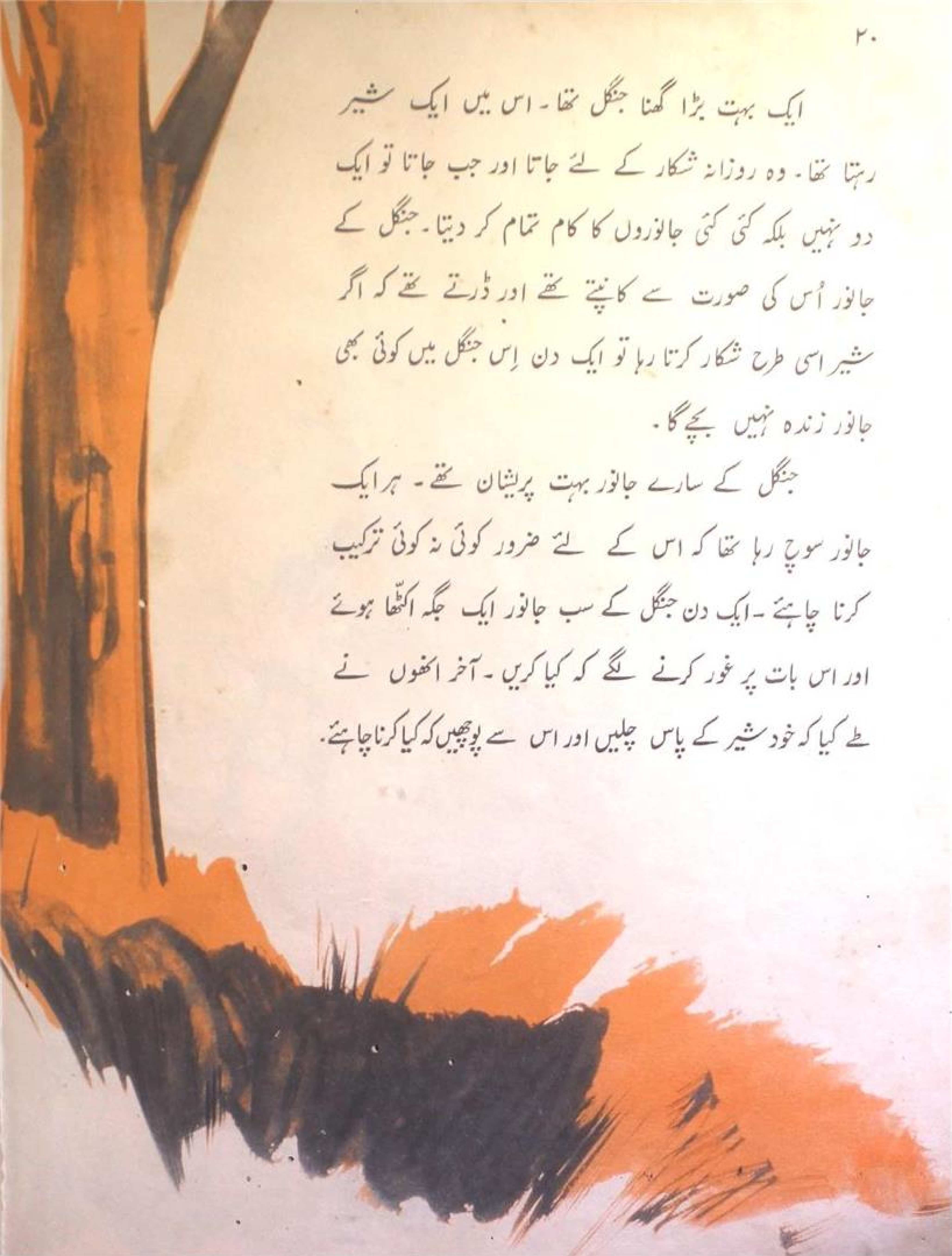


جیسے ہی وہ کنارے پر پہنچا، بندر کود کر پیڑ پر چڑھ گیا، اور ہنس کر مگرمچھ سے بولا۔
"اے بیوقوفوں کے بادشاہ! جاؤ اپنے گھر جاؤ۔ اپنی بیوی سے کہنا کہ تم دنیا کے سب سے بڑے بیوقوف ہو۔ بھلا کہیں کوئی اپنا کلیجہ نکال کر الگ بھی رکھتا ہے۔"

چالاک خرگوش







ایک بہت بڑا گھنا جنگل تھا۔ اس میں ایک شیر رہتا تھا۔ وہ روزانہ شکار کے لئے جاتا اور جب جاتا تو ایک دو نہیں بلکہ کئی کئی جانوروں کا کام تمام کر دیتا۔ جنگل کے جانور اُس کی صورت سے کانپتے تھے اور ڈرتے تھے کہ اگر شیر اسی طرح شکار کرتا رہا تو ایک دن اِس جنگل میں کوئی بھی جانور زندہ نہیں بچے گا۔

جنگل کے سارے جانور بہت پریشان تھے۔ ہر ایک جانور سوچ رہا تھا کہ اس کے لئے ضرور کوئی نہ کوئی ترکیب کرنا چاہئے۔ ایک دن جنگل کے سب جانور ایک جگہ اکٹھّا ہوئے اور اس بات پر غور کرنے لگے کہ کیا کریں۔ آخر انھوں نے طے کیا کہ خود شیر کے پاس چلیں اور اس سے پوچھیں کہ کیا کرنا چاہئے۔



اگلے دن کچھ جانور شیر کے پاس پہنچے۔ شیر نے جو انھیں اپنے پاس آتے دیکھا تو اس نے سوچا کہ یہ تمام جانور میرا شکار بننے کے لئے آپ ہی چلے آرہے ہیں۔ وہ مارے خوشی کے غرّانے لگا۔

شیر کے پاس پہنچ کر ان جانوروں کے لیڈر نے کہا " مہاراج! ہم آپ کے پاس

یہ درخواست لے کر آئے ہیں کہ آپ ہمیں مارنے سے پہلے ہماری بات سُن لیں۔ آپ راجا ہیں اور ہم آپ کی رعایا۔ جب آپ شِکار کرنے نکلتے ہیں تو بہت سے جانور مارے جاتے ہیں۔ ہماری تعداد دن بہ دن کم ہوتی جارہی ہے۔ اگر یہی ہوتا رہا تو ایک دن اِس جنگل میں بس آپ ہی آپ رہ جائیں گے۔ لیکن مہاراج! ہم چاہتے ہیں کہ آپ ہمیشہ زندہ رہیں، اور ہمارے اوپر راج کرتے رہیں۔ آپ سے یہ درخواست ہے کہ آپ شِکار کے لئے نہ نکلیں، بس اپنے گھر پر ہی رہا کریں۔ ہم خود آپ کے کھانے کے لئے روزانہ ایک جانور بھیج دیا کریں گے۔ اس طرح آپ کو خود شکار کرنے کی تکلیف بھی نہیں ہوگی، اور آپ کا کھانا گھر بیٹھے آپ کے پاس پہنچ جائے گا۔ اس طرح راجا اور رعایا دونوں ہی چین سے رہ سکیں گے۔



شیر نے سوچا کہ جانوروں کی بات میں سچائی تو ہے۔ اس نے ذرا دیر سوچا، اور پھر بولا۔" اچھا، میں تمہاری بات مان لیتا ہوں۔ لیکن یاد رکھنا، اگر کسی دن بھی میرے کھانے کے لئے ڈھنگ کا جانور نہیں آیا تو میں تم میں سے کسی ایک کو بھی زندہ نہیں چھوڑوں گا۔"

جانوروں کے سامنے چارا بھی کیا تھا۔ وہ کرتے بھی تو کیا کرتے۔ انہوں نے شیر کی شرط مان لی اور چُپ چاپ اپنے گھر چلے گئے۔

اس دن سے جانوروں نے یہ قاعدہ بنالیا کہ روزانہ شیر کے لئے ایک جانور بھیج دیتے تھے۔ جنگل میں رہنے والے سب جانوروں میں سے ایک ایک جانور باری باری سے چھانٹا جاتا تھا۔ کچھ دنوں کے بعد خرگوشوں کی باری آگئی۔ ایک روز شیر کے کھانے کے لئے ایک ننھّے سے خرگوش کو چھانٹا گیا۔ وہ خرگوش دیکھنے میں تو چھوٹا سا تھا،





لیکن تھا بڑا چالاک ۔ اس نے سوچا کہ میں بھی کوئی بیوقوف ہوں جو مفت میں شیر کا نوالہ بنوں ۔ اپنی جان بچانے کے لئے کوئی نہ کوئی ترکیب تو سوچنا ہی چاہیے ، اور اگر ہو سکے تو کوئی ایسا کام کرنا چاہیے کہ جس سے میرا ہی نہیں اور سب کا بھی اس مصیبت سے پیچھا چھُوٹ جائے ۔ آخر اُس کی سمجھ میں ایک ترکیب آئی ۔

خرگوش آہستہ آہستہ ٹہلتا ہوا بڑے اطمینان سے شیر کے گھر کی طرف چلا ۔ جب وہ شیر کے پاس پہنچا تب کافی دیر ہو چکی تھی ۔

شیر کا مارے بھوک کے بُرا حال تھا ۔ جب اُس نے دیکھا کہ ایک ننھّا سا خرگوش

چلا آ رہا ہے تو مارے غصّے کے اُس کا بُرا حال ہوگیا۔ وہ گرجتے ہوئے بولا۔ " تم کو کس نے بھیجا ہے۔ ایک تو خود پدّی سا ہے اور پھر اتنی دیر کے بعد آیا ہے۔ جن بیوقوفوں نے تم کو یہاں بھیجا ہے، میں اُن سب کو سبق سِکھاؤں گا۔ ایک ایک کا کام تمام نہ کیا تو میرا نام نہیں۔"

ننھّے خرگوش نے بڑے ادب کے ساتھ جُھک کر سلام کیا اور کہا۔ " مہاراج ! اگر آپ میری بات سُن لیں تو مجھے یا اور جانوروں کو الزام نہیں دیں گے۔ وہ تو خود جانتے ہیں کہ ایک چھوٹا سا خرگوش آپ کے لئے کافی نہیں ہے۔ اس لئے انھوں نے ایک نہ دو اکٹھا چھے خرگوش بھیجے تھے۔ لیکن راستے میں ہمیں ایک اور شیر مل گیا۔ اس نے ہم میں سے پانچ خرگوشوں کو مار کر کھا لیا۔"

یہ سُنتے ہی شیر دہاڑتے ہوئے بولا۔ " کیا کہا۔ دوسرا شیر ؟ کون ہے وہ۔ تم نے اسے کہاں دیکھا ؟ ذرا مجھے تو بتاؤ۔"

حضور وہ بہت ہی بڑا شیر ہے۔" خرگوش نے کہا۔" وہ زمین کے اندر بڑے گہرے غار سے نکلا تھا۔ وہ تو سرکار مجھے بھی مارنے جا رہا تھا۔ مگر میں نے اس سے کہا۔" جناب ! آپ کو پتہ نہیں کہ آپ نے یہ کیا غضب کر دیا ہے۔ ہم سب اپنے مہاراجا کی غذا ہیں۔ ان کے



کھانے کے لئے جا رہے تھے۔ لیکن آپ نے ان کا سارا کھانا چوپٹ کر دیا۔ آپ سوچئے کہ وہ کتنے بھوکے ہوں گے۔ ایسی باتیں برداشت نہیں کر سکتے۔ آپ کی خیر نہیں۔ اب وہ آپ کو زندہ نہ چھوڑیں گے۔"

یہ سُن کر اس نے مجھ سے پوچھا۔ "کون ہے وہ تمھارا راجا؟"

میں نے جواب دیا۔ "جناب ہمارا راجا جنگل کا سب سے بڑا شیر ہے۔"

"سرکار! جیسے ہی میری زبان سے یہ بات نکلی، وہ مارے غصّے کے لال پیلا ہوگیا اور بولا۔ "ارے بیوقوف! اس جنگل کا راجا صرف میں ہوں۔ یہاں کے تمام جانور میری رعایا ہیں۔ میں اُن کے ساتھ جو چاہے سلوک کروں۔ جس منحوس کو تم اپنا راجا کہہ رہے ہو اس چور کو میرے سامنے حاضر کرو۔ میں اسے بتاؤں گا کہ اصلی راجا کون ہے؟ بڑا آیا راجا بننے والا۔ مہاراج! اتنا کہہ کر اس شیر نے آپ کو لانے کے لئے مجھے یہاں بھیج دیا۔"

خرگوش کی بات سُن کر شیر کو بہت غصّہ آیا اور وہ بڑے زور سے گرجا! اس کی آواز سے سارا جنگل گونج اُٹھا۔

"مجھے بتاؤ کہ وہ بدمعاش کہاں رہتا ہے۔" شیر نے گرج کر کہا۔ "جب تک میں



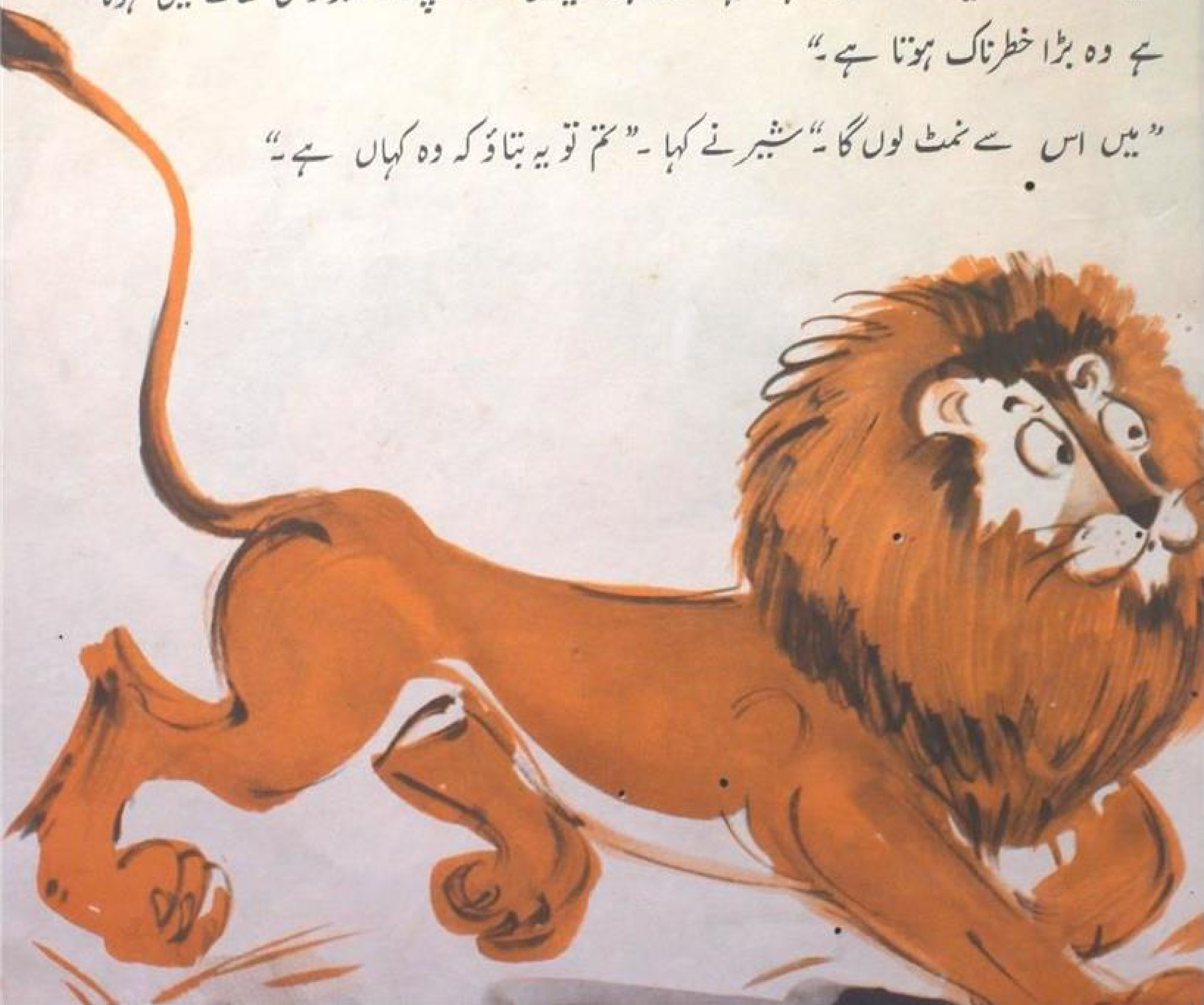
اُسے جان سے نہ مار ڈالوں گا، اس وقت تک مجھے چین نہیں مل سکتا۔"

"بہت اچھا حضور۔" خرگوش نے کہا۔ "موت ہی اس بدمعاش کی سزا ہے۔ اگر میرے ہاتھ پاؤں مضبوط ہوتے تو میں خود ہی اس کی کھال ادھیڑ دیتا۔"

"کِدھر چلنا ہے۔" شیر نے کہا۔ "مجھے فوراً بتاؤ کِدھر چلنا ہے۔"

"اس طرف آیئے مالک ——— اس طرف۔" خرگوش نے کہا۔ وہ آگے آگے راستہ دِکھاتا ہوا شیر کو ایک کنوئیں کی طرف لے گیا اور وہاں پہنچ کر بولا۔ "مہاراج! وہ بدمعاش شیر زمین کے اندر ایک قلعے میں رہتا ہے۔ ذرا ہوشیاری سے چلیئے گا، جو دشمن گھات میں ہوتا ہے وہ بڑا خطرناک ہوتا ہے۔"

"میں اس سے نمٹ لوں گا۔" شیر نے کہا۔ "تم تو یہ بتاؤ کہ وہ کہاں ہے۔"





"پہلے جب میں نے اُسے دیکھا تھا تب وہ یہیں باہر کھڑا تھا۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ آپ کو آتا دیکھ کر اپنے قلعہ میں گھُس گیا ہے۔ اِدھر آئیے سرکار۔ میں آپ کو دِکھاتا ہوں۔"

خرگوش نے کنویں کے اندر جھانک کر آہستہ سے کہا۔ "یہ ہے سرکار، آپ بھی دیکھ لیجئے۔" شیر نے کنویں کے اندر جھانکا تو اسے پانی میں اپنی پرچھائیں دکھائی دی۔

اپنی پرچھائیں کو دیکھ کر شیر نے زور سے چیخ ماری۔ کنویں کے اندر سے اپنے ہی دہاڑنے کی آواز کو سمجھا کہ دوسرا شیر بھی دہاڑ رہا ہے۔ اپنے دشمن کو فوراً مار ڈالنے کے اِرادے سے اُس نے فوراً کنویں کے اندر چھلانگ لگائی۔

جیسے ہی اس نے چھلانگ لگائی وہ پہلے تو کنویں سے ٹکرایا پھر دھڑام سے پانی میں گِرا اور ڈوب کر مرگیا۔ اس طرح چالاکی سے شیر کا خاتمہ کرکے ننھّا خرگوش گھر لوٹا۔ اس نے جنگل کے جانوروں کو شیر کے مارے جانے کی کہانی سُنائی۔ اپنے دشمن کے مارے جانے کی خبر سے سارے جنگل میں خوشی کی لہر دوڑ گئی۔ جنگل کے تمام جانور نعرے لگانے لگے۔

"ننھّا خرگوش زندہ باد ——— ننھّا خرگوش زندہ باد۔"



دھوکے باز سارس





کہتے ہیں کہ کسی تالاب کے کنارے ایک سارس رہتا تھا۔ اس تالاب میں بہت سی مچھلیاں تھیں۔ سارس خوب پیٹ بھر کر مچھلیاں کھاتا اور خوش رہتا تھا۔

اس طرح سارس کو وہاں کئی سال گذر گئے۔ سارس بوڑھا ہوگیا تھا۔ اب وہ آسانی سے مچھلیاں نہیں پکڑ سکتا تھا۔ ایک آدھ مچھلی ہاتھ بھی آجاتی تو اس سے اس کا پیٹ نہیں بھرتا تھا۔ وہ سوچنے لگا کہ اس طرح تو وہ بھوکا مر جائے گا۔





آخر اس نے ایک ترکیب سوچی۔ وہ تالاب کے کنارے مُنھ بنا کر چُپ چاپ کھڑا ہوگیا۔

تالاب کی مچھلیاں اور مینڈک حیران تھے کہ سارس اب مچھلیاں کیوں نہیں پکڑتا اور اتنا پریشان کیوں ہے۔ ایک کیکڑے نے اس کے پاس جاکر پوچھا۔ "کہو چچا، آج اتنے گم سُم کیوں ہو؟ مچھلیاں نہیں پکڑوگے؟"۔

سارس نے کہا "کیا کروں بیٹا۔ بات ہی کچھ ایسی ہے۔ میں نے زندگی بھر اس تالاب کی مچھلیاں کھائی ہیں۔ یہ سوچ کر دُکھ ہوتا ہے کہ اب جلد ہی یہ مچھلیاں مرجائیں گی۔"

کیکڑے نے پوچھا۔ "کیوں چچا یہ مچھلیاں کیوں مرجائیں گی؟"

سارس نے کہا۔ "میں نے لوگوں کو یہ کہتے سُنا ہے کہ وہ اس تالاب میں مٹّی بھر دیں گے اور اب یہاں کھیتی کریں گے۔ اگر انھوں نے ایسا کیا تو یہاں ایک بھی مچھلی زندہ نہیں بچے گی۔"

جب مچھلیوں، کیکڑوں اور مینڈکوں نے سارس کی بات سُنی تو وہ ڈر گئے۔ اب سب مل کر سارس کے پاس گئے اور کہنے لگے "چچا! یہ تو تم نے بُری خبر سنائی۔ اب تم ہی اس مصیبت سے بچنے کی کوئی ترکیب بتاؤ۔"

سارس نے کہا۔ "یہاں سے تھوڑی دور پر ایک بہت گہرا تالاب ہے۔ اس کو یہ لوگ آسانی سے پاٹ نہیں سکتے۔ اگر تم چاہو تو میں تم لوگوں کو وہاں لے چلوں۔"

مچھلیوں نے کہا: "تمہارے علاوہ ہمارا کون ہے چچا۔ تم ہمیں اسی تالاب میں لے چلو۔"

سارس نے کہا: "تم سب کو لے جانا تو مشکل ہوگا، لیکن اپنی سی کوشش کروں گا۔"

مچھلیوں میں جھگڑا ہونے لگا۔ ہر ایک یہ چاہتی تھی کہ سب سے پہلے وہ جائے۔



سارس نے کہا۔" تم لوگ جھگڑا مت کرو۔ میں تم سب کو باری باری وہاں پہنچا دوں گا۔ لیکن میں بوڑھا ہوگیا ہوں ۔ ایک بار اُڑنے کے بعد مجھے تھوڑی دیر آرام کرنا ہوگا۔"

کچھ مچھلیوں کو چونچ میں دبا کر سارس اُڑا۔ لیکن کسی دوسرے تالاب میں لے جانے کے بجائے وہ انہیں ایک چٹان پر لے گیا اور مار کر کھا گیا۔

جب سارس نے خوب پیٹ بھر کر مچھلیاں کھالیں تو اُسے نیند آگئی اور وہ سوگیا۔ جب وہ سو کر اُٹھا تو اسے پھر بھوک لگنے لگی ۔ وہ پھر اس تالاب پر پہنچا تو کچھ اور مچھلیوں کو لے آیا۔ انہیں بھی اس نے اسی طرح اسی چٹان پر بیٹھ کر کھایا۔





اب تالاب میں تھوڑی سی مچھلیاں بچی تھیں۔ ان میں ایک کیکڑا بھی تھا۔ اس نے بھی سارس سے کہا۔ ”میری بھی جان بچاؤ۔ کسی طرح مجھے بھی یہاں سے لے چلو۔“

سارس نے سوچا "چلو ایک دن کیکڑے کا بھی ناشتہ کیا جائے۔ ذرا مُنھ کا مزا ہی بدلے گا۔ مچھلیاں کھاتے کھاتے تو جی بھر گیا ہے۔"

وہ کیکڑے کو لے کر اُڑا۔ راستے میں کیکڑے کو کہیں بھی کوئی تالاب نظر نہ آیا۔ اتنے میں اس نے دیکھا کہ سارس آگے جانے کی بجائے نیچے اُتر رہا ہے۔

کیکڑے نے پوچھا۔ "چچا! یہاں تو کہیں پانی نہیں ہے۔ یہاں کیوں اُتر رہے ہو۔ وہ تالاب کہاں ہے جہاں تم مچھلیوں کو لے گئے ہو۔"

سارس نے ہنس کر کہا۔ "وہ نیچے جو چٹّان نظر آرہی ہے، دیکھی تم نے —— میں تم کو وہیں لے جا رہا ہوں۔ ان مچھلیوں کو بھی اسی چٹّان پر لے گیا تھا۔"

کیکڑے کو وہ چٹان صاف نظر آرہی تھی۔ اس پر ہر طرف مچھلیوں کے کانٹے بکھرے پڑے تھے۔ کیکڑا ڈر گیا۔ وہ سمجھ گیا کہ سارس نے مچھلیوں کو مار کر کھالیا، اور اب اس کو بھی مارنے کے لئے لایا تھا۔ اس نے اپنے نکیلے پنجوں کو سارس کی گردن میں چبھو دیا۔ سارس نے اپنے پَر پھڑ پھڑائے اور گردن چھڑانے کی کوشش کی۔ لیکن کیکڑے نے اسے نہیں چھوڑا۔ اس نے اپنے پنجوں سے اُس کی گردن کو اتنی مضبوطی سے جکڑ لیا کہ سارس کی گردن کٹ گئی اور وہ زمین پر گِر پڑا۔

کیکڑا سارس کے کٹے سر کو گھسیٹتا ہوا اس تالاب میں پہنچا جہاں وہ رہتا تھا۔ مچھلیوں نے کیکڑے کو واپس آتے دیکھا تو پوچھنے لگے۔ "کیا بات ہے کیکڑے بھیّا۔ تم لوٹ کیوں آئے۔ چچا سارس کہاں رہ گئے۔"

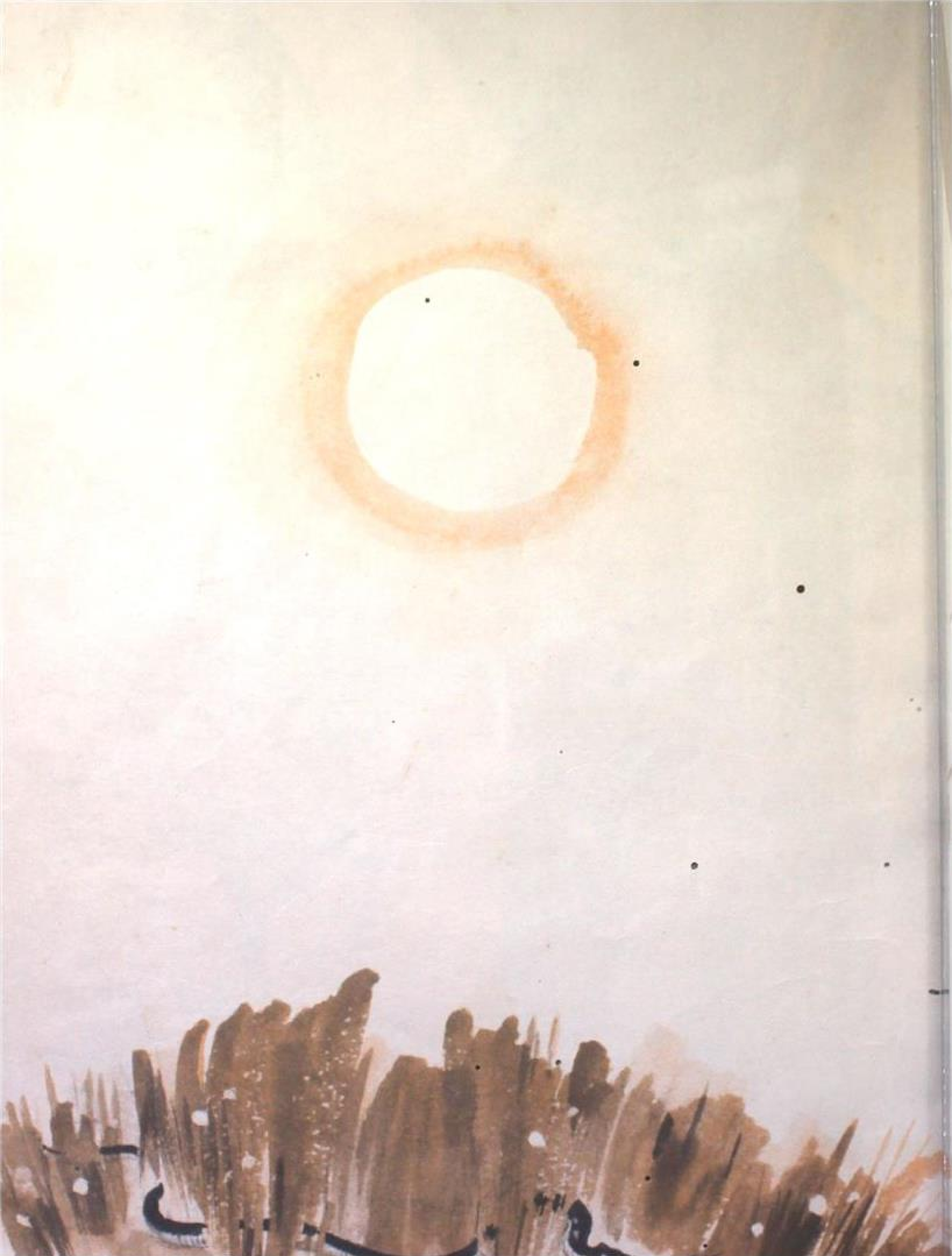


کیکڑے نے ہنس کر کہا۔" چچا تو نہیں آئے۔ لیکن ہاں ان کی کھوپڑی ضرور لایا ہوں۔" اس نے مچھلیوں کو سارس کا سر دکھایا اور انہیں بتایا کہ کس طرح وہ ان کو دھوکا دے رہا تھا۔

اس دھوکے باز سارس سے چھٹکارا پاکر مچھلیاں بہت خوش ہوئیں اور کیکڑے کی تعریف کرنے لگیں۔



کوّے اور سانپ



کہتے ہیں کہ کسی برگد کے پیڑ پر ایک کوّے اور اس کی بیوی نے اپنا گھونسلا بنایا۔ یہ دونوں اپنے بچّوں سمیت اِس گھونسلے میں کئی سال سے رہتے تھے۔

ایک بار ایک بڑے سے کالے سانپ نے اسی پیڑ کے نیچے اپنا گھر بنالیا اور وہاں رہنے لگا۔ وہاں پر کالے سانپ کا رہنا کوّے اور اس کی بیوی کو ذرا بھی اچھا نہیں لگا۔ لیکن وہ کر بھی کیا سکتے تھے۔







کوّے کی بیوی نے انڈے دیئے ۔ انڈوں میں سے بچّے نکلے ۔ وہ دونوں بڑے پیار سے اپنے بچّوں کو پالنے لگے ۔ ایک دن کوّا اور اس کی بیوی دونوں اپنے بچّوں کے لئے کھانا لینے گئے ۔ اتنے میں کالا سانپ پیڑ پر چڑھ گیا ۔ اس نے کوّے کے بچّوں کو مار کر کھالیا ۔ جب وہ کھانا لے کر لوٹے تو اُن کے بچّے غائب تھے ۔ وہ حیران رہ گئے ۔ انہوں نے ایک ایک جانور سے پوچھا لیکن کوئی یہ نہ بتا سکا کہ بچّے کہاں گئے ہیں ۔ دونوں خوب روئے ، خوب روئے ۔ پھر دونوں نے طے کیا کہ اگلی بار بچّوں کو اکیلا نہیں چھوڑیں گے ۔

کئی مہینے گذر گئے۔ کوّے کی بیوی نے پھر انڈے دیئے۔ انڈوں سے بچّے نکلے۔ اس مرتبہ دونوں میاں بیوی اپنے بچّوں کی خوب اچھی طرح رکھوالی کرتے۔ اُن کی دیکھ بھال کرتے۔ اگر ایک دانا لینے جاتا تو دوسرا بچّوں کے پاس رہتا۔

ایک دن کوّے کی بیوی نے دیکھا کہ وہ سانپ دھیرے دھیرے رینگتا ہوا پیڑ پر چڑھ رہا ہے۔ وہ سانپ کو بھگانے کے لئے زور زور سے کائیں کائیں کرنے لگی۔ لیکن سانپ





رُکا نہیں وہ چڑھتا چلا گیا، یہاں تک کہ اوپر پہنچ گیا اور کوّے کے بچّوں کو مار کر کھا گیا۔

کوّے کی بیوی بےچاری بہت روئی۔ اس کا رونا دھونا سُن کر اور بہت سے کوّے آ پہنچے۔ سب نے مل کر سانپ پر حملہ کرنا چاہا۔ لیکن سانپ تو ان بچّوں کو کھا کر پہلے ہی جا چکا تھا۔

شام کو جب کوّا لوٹا اور اس نے سنا کہ کالا سانپ پھر بچّوں کو مار کر کھا گیا تو اسے بہت تکلیف ہوئی۔ کوّے کی بیوی نے کہا۔ "آؤ ہم لوگ اس پیڑ کو چھوڑ کر کہیں اور چلیں۔ اس بدمعاش کے پڑوس میں رہنا ٹھیک نہیں ہے۔"

بچّوں کی موت کا کوّے کو بھی بڑا دُکھ ہوا۔ اس نے بیوی کو بہت سمجھایا پر وہ نہ مانی۔ وہ کسی طرح اس پیڑ پر کالے سانپ کے پڑوس میں رہنے کے لئے راضی نہ ہوئی۔

کوّے نے کہا۔ "ہم اتنے سال سے یہاں رہ رہے ہیں۔ اپنے پُرانے گھر کو چھوڑتے ہوئے مجھے بہت تکلیف ہوگی۔"

کوّے کی بیوی نے کہا۔" یہ تو ٹھیک ہے لیکن اس بدمعاش سانپ سے ہمیں کون بچائے گا۔"

کوّے نے کہا۔" ہم سانپ کو بھگانے کی کوئی نہ کوئی ترکیب ضرور سوچ لیں گے۔ خالا لومڑی پاس ہی تو رہتی ہیں۔ وہ بہت چالاک ہیں۔ چلو اُن سے رائے لیں۔ وہ کیا کہتی ہیں ؟"

یہ بات کوّے کی بیوی کی سمجھ میں بھی آگئی۔ دونوں خالا لومڑی کے پاس گئے اور اسے اپنی ساری بات سُنائی۔ پھر بولے۔" خالا ہماری مدد کرو۔ ہم بڑی مصیبت میں ہیں۔ ہمیں تو اس کالے سانپ سے بچاؤ۔ نہیں تو ہمیں اپنا پُرانا بنا بنایا گھر چھوڑنا پڑے گا۔"



لومڑی خالا نے کچھ سوچنے کے بعد کوّے سے کہا۔" نہیں تم کو اپنا گھر کبھی نہ چھوڑنا چاہیئے۔ میں نے اس سانپ کو مارنے کی بہت اچھی ترکیب سوچی ہے۔ کل سویرے راج محل کی شہزادیاں ندی میں نہانے جائیں گی۔ وہ اپنے کپڑے اور زیور اتار کر ندی میں اُتریں گی۔ ان کپڑوں اور گہنوں کی دیکھ بھال کے لئے اُن کے ساتھ نوکر بھی ہوں گے۔ تم دونوں سویرے سویرے جاکر پہلے سے دیکھ لینا کہ وہ اپنے زیور کہاں رکھتی ہیں۔ جب وہ اپنے زیور رکھ دیں تو تمہاری بیوی سب کی نظر بچاکر فوراً ہار یا کوئی زیور چونچ میں دبا کر اُڑ جائے اور تم اُس کے پیچھے پیچھے کائیں کائیں کرتے ہوئے اُڑنا۔ اس وقت خوب زور زور کائیں کائیں کرنا۔ تمہاری کائیں کائیں سُن کر شہزادیوں کے نوکر تمہیں زیور لے جاتے ہوئے دیکھ لیں گے۔ پھر وہ تمہارا پیچھا کریں گے۔ تم وہاں سے اُڑکر سیدھے کالے سانپ کے بِل پر پہنچنا اور اس زیور کو سانپ کے بِل میں گِراکر اُڑ جانا۔ پھر دیکھنا کیا ہوتا ہے۔"

کوّے نے لومڑی خالا کی بتائی ہوئی ترکیب مان لی۔

اگلے دن سویرے کوّا اور اس کی بیوی ندی کنارے پہنچ گئے۔ تھوڑی دیر میں وہاں شہزادیاں نہانے آئیں۔ اُن کے ساتھ ان کے نوکر اور نوکرانیاں بھی تھیں۔ شہزادیوں نے اپنے زیور اور کپڑے اُتار کر کنارے پر رکھ دیئے اور ندی میں نہانے کے لئے اُتریں۔

کوّا اور اس کی بیوی دور سے دیکھ رہے تھے۔ ان کے زیوروں میں ایک ہار بھی تھا۔ کوّے کی بیوی نے بڑی پھُرتی کے ساتھ ہار اُٹھایا اور لے کر اُڑ گئی۔ کوّا اس کے پیچھے پیچھے کائیں کائیں کرتا ہوا اُڑا۔

نوکروں نے کوّے کی بیوی کو ہار اُٹھاتے ہوئے دیکھ لیا۔ انہوں نے خوب شور مچایا



اور کوّوں کے پیچھے پیچھے بھاگے۔ کوّے کی بیوی نے وہ ہار سانپ کے بِل میں گرادیا اور اُڑگئی۔ نوکروں نے کوّے کی بیوی کو بِل میں ہار گِراتے دیکھ لیا۔ وہ لگے اپنے ڈنڈوں سے بِل کُریدنے۔ سانپ کو یہ چھیڑ چھاڑ اچھی نہیں لگی۔ اس کو بہت غصّہ آیا۔ وہ جھٹ بل سے باہر

نکل آیا اور اپنے پھن نکال کر اُن پر دوڑا۔ نوکروں
نے جو سانپ کو دیکھا تو گھیر لیا اور لاٹھیوں سے
اُس کو پیٹ پیٹ کر مار ڈالا اور وہ ہار لے کر چلے گئے۔



کوّا اور اس کی بیوی پیڑ پر بیٹھے بیٹھے یہ سب کچھ دیکھ رہے تھے۔ سانپ کے مرنے پر وہ بہت خوش ہوئے اور انہوں نے اطمینان کا سانس لیا۔

کوّا اور اس کی بیوی اپنے گھر میں ہنسی خوشی رہنے لگے اور ہمیشہ لومڑی کے شکرگذار رہے۔

گوّیا گدھا

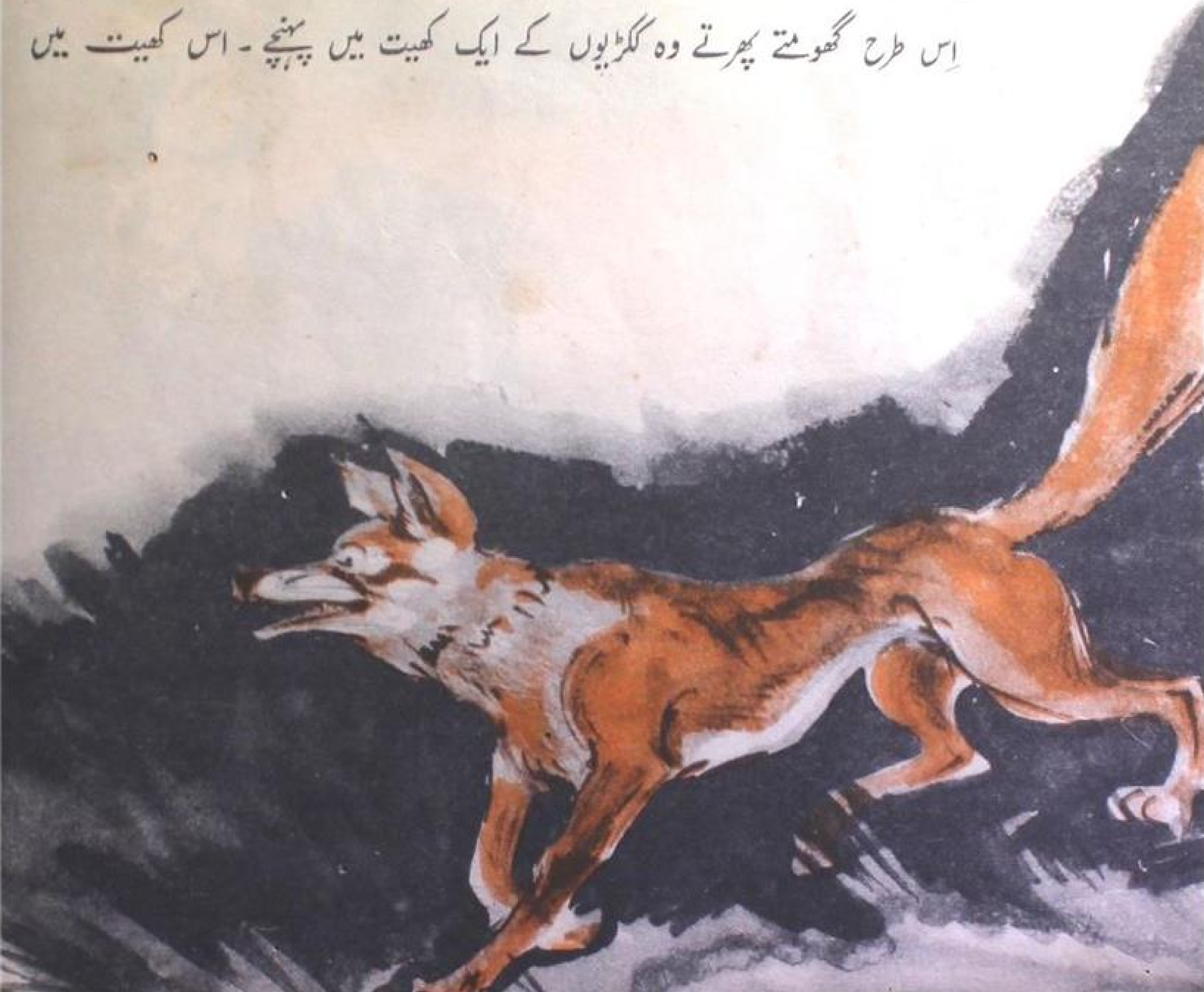




ایک دھوبی کے پاس ایک بوڑھا، مریل سا گدھا تھا۔ اس گدھے کو روزانہ سویرے سویرے میلے کپڑوں کی گٹھری لے کر گھاٹ جانا پڑتا تھا اور پھر وہ دُھلے ہوئے کپڑوں کو گھاٹ سے لے کر آتا۔ دھوبی اُسے کھانے پینے کو کچھ نہ دیتا۔ بس اُسے کھول دیتا اور گدھا اِدھر اُدھر چرنے کے لئے مارا مارا پھرتا تھا۔

ایک دن جب وہ چر رہا تھا تو اُسے ایک گیدڑ ملا۔ دونوں اکیلے تھے۔ اس لئے ذرا سی دیر میں دونوں دوست بن گئے۔ اب یہ دونوں دوست کھانے کی تلاش میں ساتھ ساتھ گھومنے لگے۔

اِس طرح گھومتے پھرتے وہ ککڑیوں کے ایک کھیت میں پہنچے۔ اس کھیت میں





بہت سی ککڑیاں لگی ہوئی تھیں۔ دونوں چپ چاپ کھیت میں گھسے اور ڈھیر ساری ککڑیاں کھا کر چل دیئے۔ اگلے دن پھر اُسی کھیت میں گئے اور خوب پیٹ بھر کر ککڑیاں کھائیں۔ اب تو وہ روزانہ ککڑیوں کے کھیت میں خوب دعوتیں اُڑانے لگے۔ اس طرح مفت کا مال کھا کر مریل گدھا بھی خوب موٹا تازہ ہوگیا۔

ایک رات ایسا ہوا کہ پیٹ بھر کر ککڑیاں کھانے کے بعد جب گدھا مزے میں آیا تو گیدڑ



سے بولا۔" پیارے دوست، دیکھو، آسمان کی طرف دیکھو۔ وہ چاند چمک رہا ہے۔ کیسی مزے کی ہوا چل رہی ہے اور کیسی سُہانی رات ہے۔ میرا تو جی چاہ رہا ہے کہ اس وقت گانا گاؤں۔"

"ارے باپ رے۔ کہیں ایسا غضب بھی نہ کرنا کہ سچ مچ ہی گانے لگو۔ اگر کھیت کے رکھوالے نے سُن لیا تو بیٹھے بٹھائے آفت آجائے گی۔ ہم یہاں چوری کر رہے ہیں اور چور اپنا کام چُپ چاپ کرتے ہیں۔"



"تم بھی کیا بات کرتے ہو۔" گدھے نے کہا۔ "اتنا پیارا موسم ہے کہ مجھ سے تو رہا نہیں جاتا۔ میں تو ایک مزیدار گانا گاکر ہی رہوں گا۔"

"نہیں یار نہیں۔" گیدڑ نے کہا۔ "تم اپنا مُنھ بند ہی رکھو تو اچھا ہے۔ پھر ایک بات یہ بھی تو ہے کہ تمھاری آواز بھی سُریلی نہیں ہے۔"



"تم مجھ سے جلتے ہو۔" گدھا بولا۔ "تم کو نہ سُر کا پتہ نہ تال کا، سنگیت کے مزے سے تم کو کیا مطلب۔"

"یہ تو خیر ٹھیک ہے دوست۔" گیدڑ نے کہا۔ "لیکن یہ بات بھی ہے کہ سنگیت کا لطف تم کو چاہے کتنا ہی آئے، لیکن کھیت کے رکھوالوں کو نہیں آئے گا۔ وہ تو تمہارا گانا سُن کر فوراً یہاں آ دھمکیں گے اور تم کو ایسا انعام دیں گے کہ برسوں یاد رکھوگے۔ اسی لئے کہتا ہوں کہ میری بات مان لو اور گانے کا خیال چھوڑ دو۔"

"تم بیوقوف ہو نرے بیوقوف۔" گدھے نے کہا۔ "تم سمجھتے ہو کہ میں گا نا نہیں گاسکتا۔ لو سنو، میری آواز کتنی سُریلی اور میٹھی ہے۔" یہ کہہ کر گدھے نے سر اوپر اٹھایا اور ڈھینچو ڈھینچو کرنے کے لئے تیار ہوگیا۔

گیدڑ نے اُسے روکتے ہوئے کہا۔ "ٹھہرو یار ٹھہرو۔ پہلے میں باہر چلا جاؤں۔ پھر تم جی بھر کر گالینا۔ میں باہر ہی تمہارا انتظار کروں گا۔" یہ کہہ کر گیدڑ کھیت کے باہر چلا گیا۔



گیدڑ کے جاتے ہی گدھے نے اونچے سُروں میں اپنا گانا شروع کر دیا۔ اس کے اس طرح ڈھینچو ڈھینچو کرنے کی آواز دور دور تک سنائی دی۔ رکھوالوں نے جیسے ہی گدھے کی آواز سُنی، ویسے ہی اپنے موٹے ڈنڈے لے کر کھیت کی طرف دوڑے۔ گدھا بڑے اطمینان سے ڈھینچو ڈھینچو کر رہا تھا کہ اس کے اوپر ذرا سی دیر میں ڈنڈے پڑنے لگے۔ رکھوالوں نے گدھے کو اتنا مارا اتنا مارا کہ وہ مار کھاتے کھاتے زمین پر لیٹ گیا۔ اس کے بعد انھوں نے گدھے کے گلے میں ایک بھاری توبڑا باندھ دیا اور چلے گئے۔

بہت دیر کے بعد گدھے کو ہوش آیا تو بڑی مشکل سے توبڑے کو گھسیٹتا ہوا کھیت سے باہر نکلا۔



گیدڑ کھیت کے باہر کھڑا ہوا گدھے کا انتظار کر رہا تھا۔ بے چارہ گدھا آہستہ آہستہ گھسٹتا، کراہتا گیدڑ کے پاس پہنچا۔

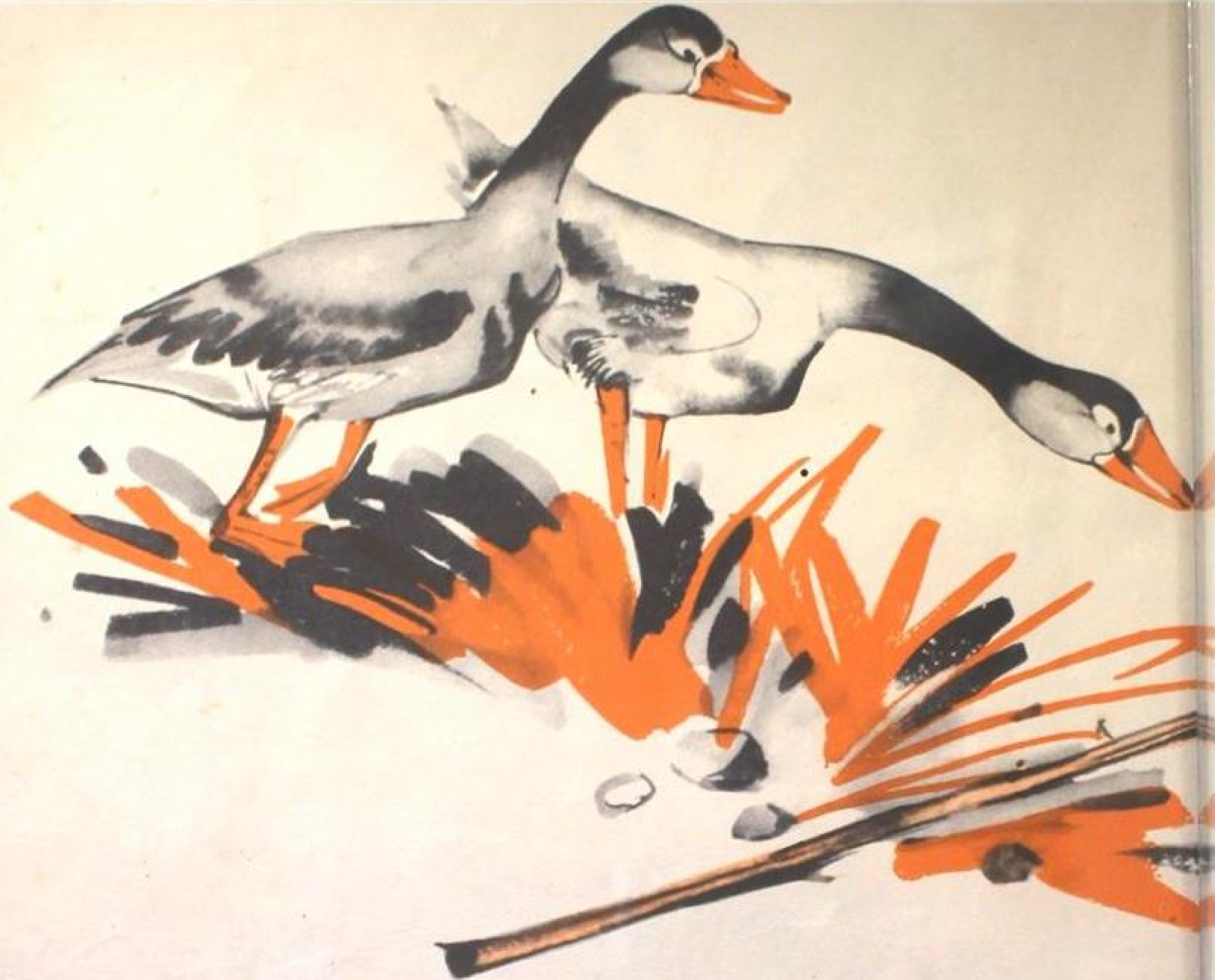
اسے دیکھتے ہی گیدڑ بولا۔ "واہ یار واہ۔ رکھوالے نے تمہارے گانے سے خوش ہوکر یہ اچھا سا باجا انعام کے طور پر دیا ہے۔ مبارک ہو بھائی مبارک۔"

"اب زیادہ شرمندہ نہ کرو۔ مجھے خود تمہاری رائے نہ ماننے کا بہت افسوس ہے۔" ●



باتونی کچھوا







ایک بڑے سے تالاب میں ایک کچھوا رہتا تھا۔ اس کی دوستی دو بگلوں سے تھی۔ وہ تینوں روزانہ دیر تک آپس میں خوب باتیں کرتے تھے۔

ایک بار وہاں سوکھا پڑگیا۔ بالکل بارش نہیں ہوئی۔ سارے تالاب سوکھنے لگے۔ تمام آدمی اور جانور بھوکے پیاسے مرنے لگے۔ چڑیاں اپنی جان بچانے کے لئے پانی کی کھوج میں وہاں سے بھاگنے لگیں۔ آخر دونوں بگلوں نے بھی فیصلہ کیا کہ کسی ایسی جگہ چلے جائیں جہاں پر پانی کی کمی نہ ہو۔

جب وہ جانے لگے تو انہوں نے سوچا کہ اپنے دوست کچھوے سے بھی چلتے وقت آخری بار مل لیں۔ جب کچھوے نے سُنا کہ اس کے دوست بگلے جا رہے ہیں، تو اُن سے کہنے لگا۔ "مجھے مرنے کے لئے یہاں اکیلا کیوں چھوڑے جا رہے ہو۔ مجھے بھی اپنے ساتھ لے چلو۔"

بگلوں نے کہا۔ "دوست ہم تو خود تمہارا ساتھ نہیں چھوڑنا چاہتے۔ لیکن کیا کیا جائے۔ ہم تو اُڑکر کہیں بھی جاسکتے ہیں لیکن تم کیسے چلوگے؟"

کچھوے نے کہا "یہ سچ ہے کہ میں تمہاری طرح اُڑ نہیں سکتا۔ لیکن اگر تم مجھ کو اپنے ساتھ لے چلنے کے لئے تیار ہو تو میں تم کو ایک ترکیب بتاؤں۔"

بگلوں نے کہا "ہاں ہاں، ہم تم کو اپنے ساتھ خود لے جانا چاہتے ہیں۔"

کچھوے نے کہا "تو پھر تم ایک مضبوط لکڑی لے آؤ۔ اس کے دونوں سروں کو

تم دونوں اپنی اپنی چونچ سے پکڑ لینا ۔ میں لکڑی کو بیچوں بیچ مضبوطی سے پکڑ کر لٹک جاؤں گا ۔ اس طرح تم مجھے اپنے ساتھ اُڑا لے چلنا ۔"

بگلوں کو یہ ترکیب بہت پسند آئی ۔ وہ وہیں سے ایک مضبوط لکڑی لے آئے ۔



بگلوں نے کہا ۔" ہم تمہیں لے تو چلتے ہیں لیکن تم وعدہ کرو کہ اپنا منھ نہیں کھولوگے ۔ تم ٹھہرے باتونی ۔ بغیر بولے تم سے نہیں رہا جاتا ۔ اگر بھولے سے بھی تم



نے مُنھ کھولا تو بس نیچے گِر جاؤ گے اور پھر تمہارا نام و نشان بھی نہ ملے گا۔" کچھوے نے وعدہ کیا کہ وہ ایک لفظ بھی نہ بولے گا۔

اب لکڑی کے دونوں کناروں کو بگلوں نے اپنی اپنی چونچ میں دبایا۔ کچھوا لکڑی کو مُنھ میں پکڑ کر بیچ میں لٹک گیا۔ بگلے لکڑی کو کچھوے سمیت لے اُڑے۔ وہ اونچے اُڑتے گئے، کھیتوں، میدانوں اور پہاڑیوں کو پار کرتے ہوئے وہ ایک شہر کے اوپر پہنچے۔ انہیں دیکھنے کے لئے سڑکوں پر بھیڑ جمع ہوگئی۔ لوگوں نے اس سے پہلے ایسا تماشا



نہیں دیکھا تھا۔ وہ لگے ہنسے اور تالیاں بجا بجا کر شور مچانے۔" دیکھو۔ دیکھو۔ دو بگلے کچھوے کو کیسے اُڑائے لئے جا رہے ہیں۔"

کچھوے نے جو لوگوں کو اس طرح ہنستے دیکھا تو اسے بڑا غصہ آیا۔ اس سے بولے بغیر نہ رہا گیا۔ اس نے کچھ کہنے کے لئے منھ کھولا ہی تھا کہ لکڑی چھوٹ گئی اور وہ دھڑام سے نیچے آکر گرا اور اس کی ہڈّی پسلی چکنا چور ہوگئی۔

●

پنچ تنتر کی کہانیاں

دوسرا حصہ



کہانیاں

مصنّف : شیو کمار
آرٹسٹ : ریوتی بھوشن
ترجمہ : اطہر پرویز

قیمت : ــــ ۵ روپے ۷۵ پیسے
بار اوّل : ــــــــ ۱۹۷۳
تعداد : ــــــــ ۳ ہزار

پبلشرز : چلڈرنس بک ٹرسٹ، نہرو ہاؤس، ۴ بہادر شاہ ظفر مارگ نئی دہلی
برائے ترقی اُردو بورڈ، وزارتِ تعلیم، حکومت ہند
پرنٹر : ــــــــــ اِندر پرستھ پریس، نئی دہلی

پیش لفظ

پنچ تنتر کی کہانیاں سنسکرت میں لکھی گئی ہیں۔ یہ بہت پرانی کہانیاں ہیں۔ پہلی بار یہ کہانیاں سیکڑوں برس پہلے لکھی گئی تھیں۔ پنچ تنتر سے مُراد ایسی کتاب ہے جو پانچ حصّوں پر مشتمل ہوتی ہے۔ وقت کے ساتھ ساتھ اِس کتاب کا ترجمہ دیگر زبانوں میں بھی کیا گیا۔ اور اس طرح پنچ تنتر کی کہانیاں عرب اور یورپی ممالک میں بھی پہنچ گئیں، وہاں یہ مختلف ناموں کے تحت کتابی شکل میں شائع ہوئیں۔ ان میں سے بہت سی کہانیاں مائیں اپنے بچّوں کو سُناتی تھیں۔ اس طرح پنچ تنتر کی کچھ کہانیاں لوک کہانیاں بن گئیں۔

دنیا کے تمام لوگوں کے احساسات ایک جیسے ہوتے ہیں۔ سبھی نیکی، طاقت اور ایمانداری کو پسند کرتے ہیں اور بے وقوفی، کم ہمّتی اور بے ایمانی کو حقارت کی نگاہ سے دیکھتے ہیں۔ پنچ تنتر کی کہانیاں ہمیں انسان کے اچھّے اور بُرے دونوں پہلوؤں سے روشناس کراتی ہیں۔ اور اسی لئے ساری دنیا میں لوگ ان کہانیوں کو پسند کرتے ہیں۔ درحقیقت یہ کہانیاں تین نوجوان شہزادوں کو زندگی کے اُتار چڑھاؤ سے واقف کرانے کے لئے لکھی گئی تھیں۔

چلڈرن بُک ٹرسٹ سے شائع ہونے والی پنچ تنتر کی کہانیوں کا یہ دوسرا حصّہ ہے۔ پہلے حصّے کی طرح یہ حصّہ بھی انگریزی اور ہندی کے علاوہ اُردو میں بھی شائع ہو رہا ہے۔

گدھے کا دِماغ

جنگل کا راجا شیر بوڑھا اور کمزور ہوگیا تھا۔ اس سے دوڑا بھی نہ جاتا تھا اور نہ جانوروں کا شِکار کرسکتا تھا۔ کبھی کبھی تو وہ تمام دن بھوکا رہتا۔ وہ روز بہ روز کمزور اور بوڑھا ہوتا جارہا تھا۔ ایک دن اُس نے سوچا کہ اس طرح میں کب تک زندہ رہوں گا۔ کوئی نہ کوئی ایسی ترکیب سوچنی چاہئے جس سے مجھ کو روزانہ، آسانی سے ایک جانور کھانے کو مل جائے۔ بہت کچھ سوچنے سمجھنے اور غور کرنے کے بعد اُس نے طے کیا کہ کسی جانور کو اپنا مددگار بنالے۔



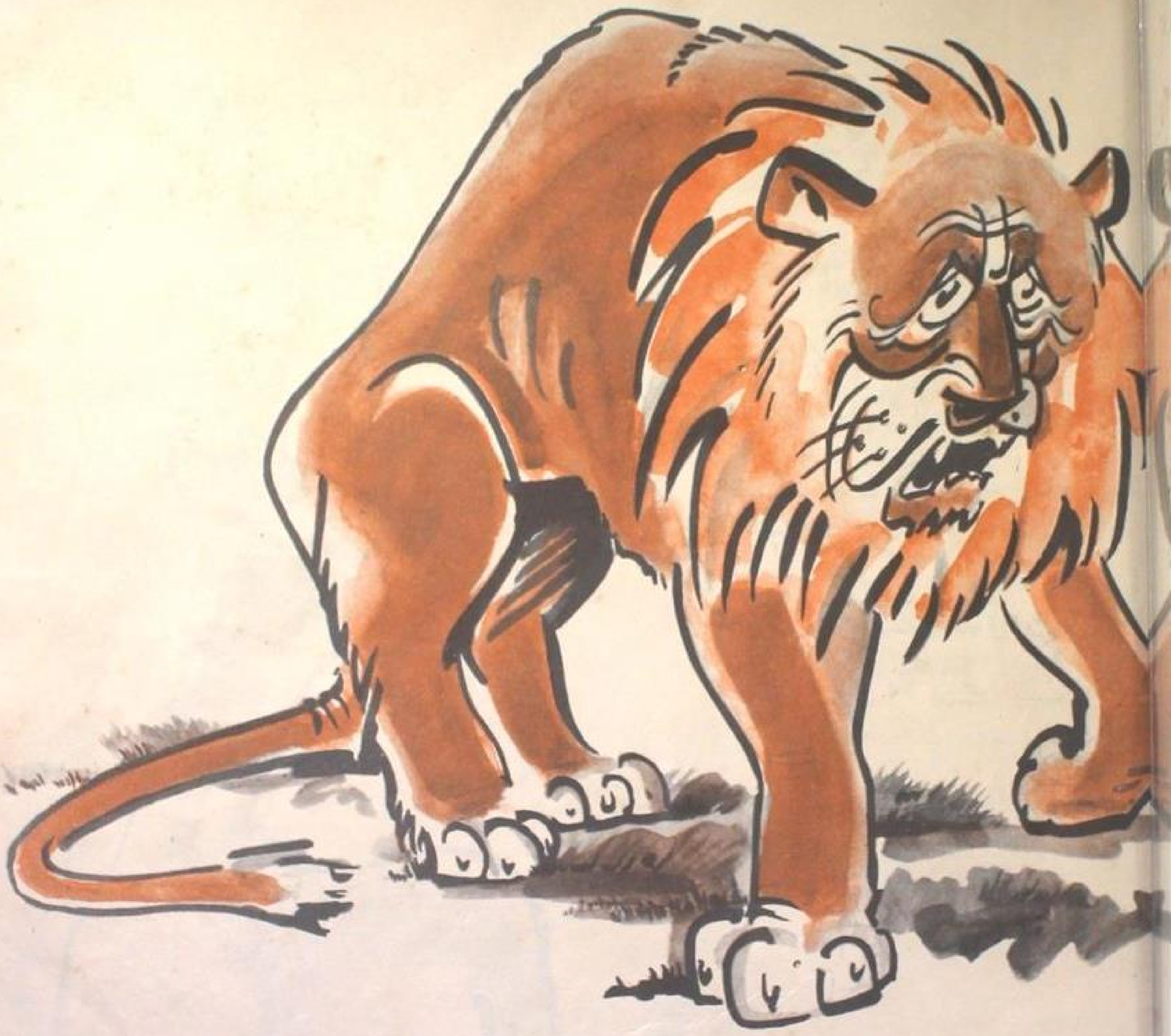


اُس نے سوچا کہ اس کام کے لئے لومڑی سے زیادہ اور کوئی جانور بہتر نہیں ہے۔ اس نے لومڑی کو بُلایا اور بڑے پیار سے اُس سے بولا۔ "بہن لومڑی! تم تو جانتی ہو کہ میں تم سے کتنی محبت کرتا ہوں اور اس کی وجہ تمہاری چالاکی ہے۔ تم سب سے چالاک جانور ہو۔ میں چاہتا ہوں کہ تم میری وزیر بن جاؤ اور راج پاٹ کے کام میں میری مدد کرو۔"

لومڑی چالاک تھی۔ اسے شیر کی باتوں پر یقین نہیں آیا۔ لیکن اس کی بات کو کاٹے تو کیسے کاٹے۔ اس نے سر جُھکا کر کہا۔ "مہاراج! آپ کی بڑی مہربانی ہے۔ میں تو آپ کے حکم کی تابعدار ہوں۔ میں دل اور جان سے آپ کی خدمت کروں گی۔"

بوڑھا شیر بہت خوش ہوا۔ اس نے کہا۔ "اچھا تو اپنا کام سن لو۔ تم جانتی ہو





کہ میں جنگل کا راجا ہوں اور یہ بات راجا کے لئے ٹھیک نہیں ہے کہ وہ اپنی غذا
کے لئے خود جانوروں کے پیچھے پیچھے بھاگے۔ اس لئے تمہارا پہلا کام یہ ہے کہ
میرے کھانے کا انتظام کرو اور روزانہ میرے لئے ایک جانور لے کر آؤ۔ میں یہ جانتا ہوں

کہ تم یہ کام آسانی سے کرسکتی ہو۔"

"مہاراج! میں آپ کا حکم دل اور جان سے مانوں گی۔" یہ کہہ کر لومڑی شیر کے لئے جانور ڈھونڈنے کے لئے نکل پڑی۔

ابھی وہ جنگل کے باہر ہی تھی کہ راستے میں اسے ایک موٹا تازہ گدھا نظر آیا جو گھاس چر رہا تھا۔ وہ گدھے کے پاس جاکر بولی۔ "ارے یار! تم اب تک کہاں چھپے ہوئے تھے میں تو تمہیں سترہ روز سے ڈھونڈتے ڈھونڈتے تھک گئی ہوں۔"

"کیوں؟" گدھے نے



پوچھا۔ "میں تو وہیں تھا، لیکن یہ تو بتاؤ کہ تم کو مجھ سے کیا کام ہے؟"

"میں تمہارے لئے بڑے مزے کی خبر لائی ہوں۔ تمہارے دن پھر گئے ہیں۔ اب تم خوشی مناؤ۔ میں جنگل کے راجا، شیر کے پاس سے تمہارے لئے ایک خاص پیغام لائی ہوں۔ راجا نے تم کو اپنا وزیرِاعظم بنایا ہے اور مجھے تمہارے پاس بھیجا ہے کہ یہ بات میں تم کو بتاؤں۔"

گدھا ڈر کے مارے کانپ اٹھا۔ "ارے باپ رے باپ۔ شیر نے۔ مجھ کو تو شیر کے نام ہی سے ڈر لگتا ہے۔ شیر نے مجھ کو اپنا وزیرِاعظم کیوں بنایا، میں تو اس کام کے لائق نہیں ہوں۔ مہربانی کر کے مجھے میرے حال پر چھوڑ دو بہن لومڑی۔"

لومڑی ہنس کر بولی۔ "تمہیں اپنی قابلیت کے بارے میں کچھ پتہ نہیں۔ یہی تو تمہاری بڑائی کی بات ہے۔ شیر راجا نے تمہارے بارے میں بہت کچھ سُن رکھا ہے۔ وہ تم سے ملنا بھی چاہتے ہیں۔ تم نیک ہو، اچھے ہو، عقل مند ہو، محنتی ہو ـــــ اس لئے انہوں نے تم کو ہی اپنا وزیرِاعظم بنایا ہے۔"



لومڑی نے کچھ اس طرح باتیں بنائیں کہ بھولے بھالے گدھے کو اس کی بات پر یقین آگیا۔ اس نے سوچا کہ لومڑی ٹھیک ہی تو کہتی ہے۔ شیر کے پاس چلا چلوں گا۔

"تم بڑے عقل مند ہو۔" لومڑی نے کہا، "تمہیں اپنی زندگی کا شاندار موقع ملا ہے۔ اسے ہاتھ سے مت جانے دینا۔ ہمارے مہاراج کئی بار تمہاری تعریف کرچکے ہیں۔ وہ تم سے مل کر بہت خوش ہوں گے۔"

لیکن جب وہ دونوں شیر کے پاس پہنچے تو گدھا گھبراگیا۔ وہ ٹھٹھک کر ایک طرف کھڑا ہوگیا اور لومڑی کے کہنے پر بھی آگے نہیں بڑھا۔ لومڑی نے خود آگے بڑھ کر شیر سے کہا "مہاراج! آپ کے وزیرِاعظم بڑے خاکسار ہیں۔ آپ کے سامنے آنے سے ہچکچا رہے ہیں۔"

شیر نے کہا "مجھے تو ایسے ہی لوگ پسند ہیں۔ میں خود وزیرِاعظم کے پاس جاؤں گا۔"

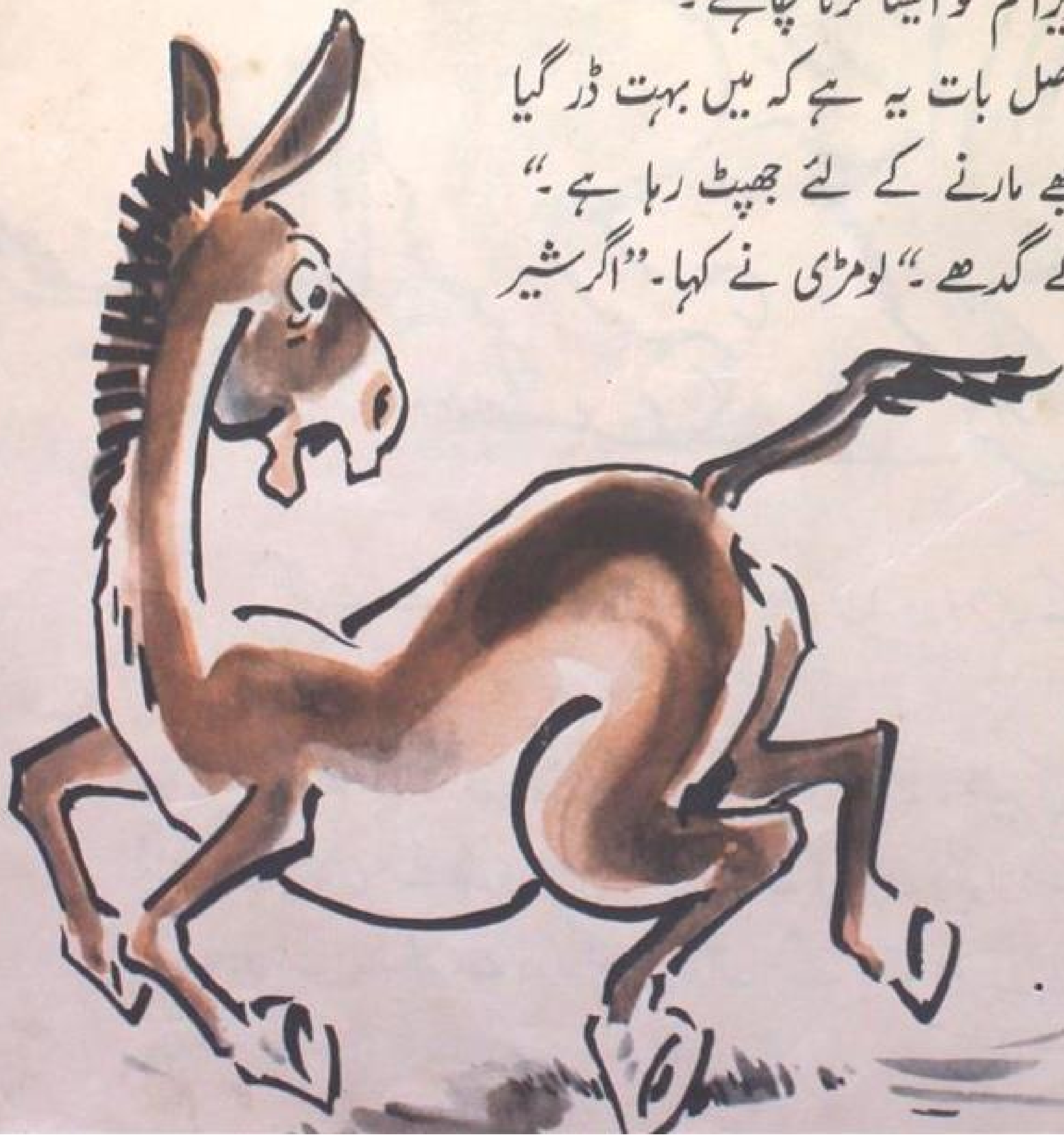
شیر بہت بھوکا تھا۔ اتنے موٹے تازے گدھے کو دیکھ کر وہ قابو سے باہر ہوگیا اور



بڑے زور سے اس پر جھپٹا۔ گدھا تو پہلے ہی سے چوکنّا تھا۔ وہ اپنی جان بچاکر بھاگ کھڑا ہوا۔
شیر کے ہاتھ سے جب شکار نکلا تو اسے بہت غصّہ آیا۔ وہ لومڑی سے گرج کر بولا۔ "تمہاری یہ ترکیب ٹھیک نہیں ہے۔ دیکھو شکار ہاتھ سے نکل گیا۔ جاؤ گدھے کو واپس لے کر آؤ۔ اگر نہیں لائی تو تمہاری خیر نہیں ہے۔"

لومڑی نے کہا "مہاراج! اس میں میرا کیا قصور؟ آپ نے خود بہت جلدی کی۔ آپ کو میرے اوپر بھروسہ کرنا چاہیئے تھا۔ میں تو اس کو آپ کے پاس لے آئی تھی۔ خیر میں اسے پھر لانے کی کوشش کروں گی۔"

لومڑی گدھے کے پاس پہنچی اور بولی "تم بڑے عجیب جانور ہو۔ کیوں بھاگ کھڑے ہوئے۔ بھلا کہیں وزیرِاعظم کو ایسا کرنا چاہیئے۔"



گدھے نے کہا "اصل بات یہ ہے کہ میں بہت ڈر گیا تھا۔ میں تو یہ سمجھا کہ شیر مجھے مارنے کے لئے جھپٹ رہا ہے۔"

"تم رہے گدھے کے گدھے۔" لومڑی نے کہا۔ "اگر شیر

تمہیں مارنا ہی چاہتا تو تم بچ کر تھوڑا ہی جا سکتے تھے۔ دراصل وہ تمہارے کان میں کوئی سرکاری بھید بتانا چاہتا تھا، اور وہ یہ نہیں چاہتا تھا کہ یہ بات میں بھی سنوں۔ مگر تم بھی عجیب ہو، بھاگ کھڑے ہوئے۔ بھلا راجا نے اپنے دل میں کیا سوچا ہوگا۔ اب چلو چل کر راجا سے معافی مانگو۔ وزیرِاعظم بننے کے بعد جنگل میں تم ہی تم ہوگے۔ سب جانور تمہارا لوہا مانیں گے اور ہر ایک تم سے ڈرے گا۔"



گدھے نے پھر لومڑی کی باتوں پر یقین کرلیا۔ وہ لومڑی کے ساتھ، شیر کے پاس جانے کو پھر تیار ہوگیا۔

گدھا اور لومڑی دونوں شیر کے پاس پہنچے۔ شیر کی بھوک اور بھی بڑھ چکی تھی۔ لیکن اس بار اس نے جلدی نہیں کی۔ وہ گدھے کی طرف دیکھ کر مسکرایا اور بولا —— اِدھر آؤ میرے دوست! تم مجھ سے ڈر کر کیوں بھاگ گئے؟ آؤ میرے پاس آؤ۔ آج سے تم میری

ریاست کے وزیرِ اعظم ہو۔"

گدھا شیر کی باتوں میں آگیا۔ وہ جیسے ہی شیر کے پاس پہنچا، شیر نے جھپٹ کر اس کے سر پر ایسا گہرا وار کیا کہ ایک ہی وار میں بیچارے گدھے کی جان نکل گئی۔ اس کے بعد شیر نے لومڑی کو اس کی چالاکی پر شاباش دی اور گدھے کو کھانے کے لئے تیار ہوگیا۔ لیکن اسی وقت لومڑی



بولی " مہاراج! آپ بہت بھوکے ہیں اور تھک بھی گئے ہیں۔ آپ کے کھانے کا وقت بھی ہوگیا ہے۔ لیکن میری آپ سے یہ درخواست ہے کہ آپ کھانے سے پہلے نہالیں، اس کے بعد کھانا کھاکر آرام کریں۔"

شیر نے کہا " تم ٹھیک کہتی ہو۔ میں نہانے جاتا ہوں۔ اس وقت تک تم گدھے کی لاش کی دیکھ بھال کرو۔" یہ کہہ کر شیر نہانے کے لئے ندی کی طرف چلا گیا۔

لومڑی کو بھی بڑی بھوک لگی ہوئی تھی۔ اس نے مرے ہوئے گدھے کی طرف دیکھ کر سوچا۔

"میں اپنی چالاکی سے اگر اس گدھے کو واپس نہ لاتی تو شیر کو کھانا کیسے ملتا۔ شیر نے اپنی بیوقوفی سے اس کو کھو ہی دیا تھا۔ اس لئے گدھے کے سب سے اچھے گوشت پر تو میرا ہی حق ہے۔"

یہ سوچ کر لومڑی نے گدھے کے سر کو پھاڑ کر اس کا بھیجا کھا لیا۔

جب شیر نہا دھو کر واپس آیا تو اس نے گدھے کے سر کو پھٹا ہوا دیکھا تو اسے کچھ شک ہوا۔ شیر نے لومڑی سے پوچھا "یہاں کون آیا تھا۔ اس گدھے کا سر کس نے پھاڑا ہے؟"

لومڑی نے کچھ ایسا مُنھ بنایا، جیسے شیر کی بات سے اس کو بہت دکھ ہوا ہو۔ اس نے کہا "مہاراج! یہ جان کر مجھ کو بہت افسوس ہوا کہ آپ اپنے فرمانبردار نوکر پر بھروسہ نہیں کرتے۔ میں نے گدھے کی لاش پر سے نظر تک نہیں ہٹائی۔ بس اسے ٹکٹکی باندھے دیکھتی رہی۔ اس کو کون چھوتا۔ آپ نے ہی تو اس بیچارے کی کھوپڑی چکنا چور کر دی تھی۔"

شیر نے لومڑی کی بات پر یقین کر لیا۔ اس نے گدھے کو کھانا شروع ہی کیا تھا کہ اچانک گرج کر بولا۔ "اس کا دماغ کہاں گیا۔ میں تو پہلے اس کا دماغ کھانا چاہتا ہوں۔"

لومڑی نے مسکرا کر جواب دیا "مہاراج! گدھے کے دماغ نہیں ہوتا۔ اگر اس گدھے کے سر میں دماغ ہوتا تو وہ دوسری مرتبہ میرے ساتھ کیوں آتا۔"

شیر کو لومڑی کی بات سمجھ میں آگئی۔ اس نے پھر اطمینان سے کھانا کھایا۔



سانپ کی بیوی



ایک چھوٹے سے گاؤں میں ایک برہمن اور اس کی بیوی رہا کرتے تھے۔ ان دونوں کے کوئی اولاد نہ تھی۔ اس لئے برہمن اور اس کی بیوی بڑے اداس رہتے تھے۔ وہ روزانہ بچّے کے لئے خدا سے دعائیں مانگتے۔

کچھ دنوں کے بعد اُن کی مراد پوری ہوگئی۔ ایک دن برہمن کے گھر میں ایک بچّہ پیدا ہوا۔ لیکن وہ بچّہ کوئی آدمی کا بچّہ نہیں تھا بلکہ وہ تو سانپ تھا۔ اس بات کو سن کر پاس پڑوس کے لوگ بھونچکا رہ گئے۔ ارے باپ رے باپ۔ آدمی کے گھر میں سانپ کا بچّہ۔ برہمن کے دوستوں اور رشتہ داروں نے یہ رائے دی کہ جتنی جلدی ہوسکے اس سانپ سے پیچھا چھڑا لینا چاہیئے۔ لیکن برہمن کی بیوی نے کسی کی ایک نہ سُنی۔ سانپ ہے تو کیا ہوا۔ اولاد تو اس کی اپنی ہے۔ وہ

سانپ سے اسی طرح پیار کرتی جیسے کوئی ماں اپنے بچّے سے پیار کرتی ہے۔ وہ کسی طرح یہ برداشت نہ کرتی کہ کوئی اس کو تکلیف بھی پہنچائے۔

وہ اس سانپ کو بڑے لاڈ پیار سے پالنے لگی۔ روزانہ اسے نہلاتی دُھلاتی اور اچھے سے اچھا کھانا کھِلاتی، اور اسے ایک خوبصورت صندوق میں ایک گدّے دار بستر میں سُلاتی تھی۔

دھیرے دھیرے سانپ بڑا ہونے لگا۔ جیسے جیسے وہ بڑا ہوتا گیا اس کی ماں کا پیار بھی بڑھتا گیا۔ جب پڑوس میں کوئی اپنے بچّے کا بیاہ کرتا تو اس کا بھی جی چاہتا کہ اپنے بیٹے کا بیاہ کرے۔ مگر سانپ کے لئے دُلہن کہاں سے لائے۔ پھر بھی وہ برابر سوچتی رہی کہ کہیں کوئی لڑکی ملے تو میں اپنے بیٹے کا بیاہ کروں۔

ایک دن جب برہمن گھر آیا تو اس نے دیکھا کہ اُس کی بیوی بیٹھی بیٹھی رو رہی ہے۔



"کیوں کیا بات ہے ؟" برہمن نے پوچھا۔ "تم کیوں رو رہی ہو ؟"

اس کی بیوی نے اس کا جواب دینے کے بجائے اور زور زور سے رونا شروع کردیا۔

"آخر یہ تو بتاؤ تم کو کیا تکلیف ہے ؟" برہمن نے پھر پوچھا۔ مگر وہ روتی ہی رہی۔ اب برہمن بھی کیا کرتا۔ بیچارا پریشان بے بس کھڑا دیکھتا رہا۔

"میں جانتی ہوں۔" اس کی بیوی بولی "تم کو نہ مجھ سے محبّت ہے اور نہ میرے بچّے سے۔ اب دیکھو میرا بچّہ بڑا ہوگیا ہے۔ تم یہ تو سوچتے نہیں کہ اس کا بیاہ کرنا چاہیئے۔"

"کیا ؟" برہمن نے چونک کر کہا۔ "اس سانپ کے بچّے کے لئے دُلہن۔ تم پاگل تو نہیں ہوگئی ہو۔ ایسا کون ہوگا جو اپنی لڑکی کی شادی سانپ سے کرے گا ؟"

یہ جواب سُن کر اس کی بیوی رونے لگی اور اتنا روئی کہ برہمن نے تنگ آکر اپنے لڑکے کے لئے بہو تلاش کرنا شروع کردی۔

بیچارہ برہمن بہو کی کھوج میں گھر سے نکلا۔ اس نے گاؤں کے گاؤں چھان مارے،



لیکن اسے کہیں بھی کوئی ایسی لڑکی نہ ملی ، جس کی شادی سانپ سے کی جا سکے - آخر وہ ایک شہر میں پہنچا - اس شہر میں برہمن کا ایک دوست رہتا تھا - دونوں میں بڑی گہری دوستی تھی - برہمن اپنے دوست سے بہت دنوں سے نہیں ملا تھا - اِس لئے اُس نے سوچا کہ اپنے اس دوست سے جاکر ملنا چاہیے - برہمن سے مِل کر اُس کا دوست بہت خوش ہوا - دونوں گلے ملے، پھر بہت دیر تک باتیں کرتے رہے - آخر جب برہمن جانے لگا تو اس کے دوست نے پوچھا — بھائی، تم گاؤں گاؤں کیوں گھوم پھر رہے ہو ؟"

"میں اپنے لڑکے کے لئے بہو کی تلاش میں ہوں -" برہمن نے کہا -

اس کے دوست نے کہا " تم نے مجھے پہلے کیوں نہیں بتایا - اب تم کو کہیں اور جانے کی ضرورت نہیں - تمہارے لڑکے کے ساتھ میں اپنی بیٹی کی شادی کروں گا - وہ خوبصورت بھی ہے اور تمہاری بہو بننے کے لائق بھی ہے ؟"

اچانک یہ خبر سُن کر برہمن سوچ میں پڑ گیا - اس نے کہا - " دوست ! اچھا ہوتا کہ تم اپنی بیٹی کی شادی کرنے سے پہلے ایک بار تو میرے بیٹے کو بھی دیکھ لیتے -"

"ارے نہیں " اس کے دوست نے کہا -" اس کی کوئی ضرورت نہیں - میں تم کو اور تمہاری بیوی کو خوب جانتا ہوں - میرے لئے اتنا ہی کافی ہے - اب زیادہ وقت خراب کرنے کی



ضرورت نہیں ۔ میں اپنی لڑکی کو تمہیں سونپ رہا ہوں ۔ تم اسے لے جاؤ اور اپنے لڑکے کے ساتھ اس کی شادی کردو ۔"

اپنے دوست کی اس بات سے برہمن بہت پریشان ہوا ۔ لیکن ساتھ ہی اُس کو اِس بات کی خوشی بھی تھی کہ اتنے دن بعد اُسے اپنے لڑکے کے لئے بہو مل ہی گئی ۔

جب وہ لڑکی کو لے کر گھر پہنچا تو اُس کی بیوی مارے خوشی کے پھولی نہ سمائی ۔ اُس نے



فوراً بیاہ کی تیاریاں شروع کردیں ۔ جب اس بیاہ کی خبر گاؤں والوں تک پہنچی تو وہ لڑکی کے پاس گئے اور سمجھانے لگے کہ تجھے سانپ کے ساتھ شادی نہیں کرنا چاہئے ۔ لڑکی نے کہا "میرے باپ نے لڑکے کے باپ کو زبان دی ہے اب چاہے کچھ بھی ہو میں اُن کے لڑکے ہی سے بیاہ کروں گی ۔ میں اپنے باپ کی مرضی کے خلاف کوئی کام نہ کروں گی ۔ اگر برہمن کا لڑکا سانپ ہے تو سانپ ہی سے میری شادی ہوگی ۔"



اگلے دن سانپ کے ساتھ لڑکی کی شادی ہوگئی۔ شادی کے بعد وہ سانپ کے ساتھ اسی کمرے میں رہنے لگی۔ وہ اپنے شوہر سے بہت محبت کرتی تھی اور ایک اچھی بیوی کی طرح اپنے شوہر کا خیال رکھتی اور سارے دن اس کی خدمت میں لگی رہتی۔ لیکن رات کو وہ سانپ اپنے صندوق ہی میں سوتا تھا۔

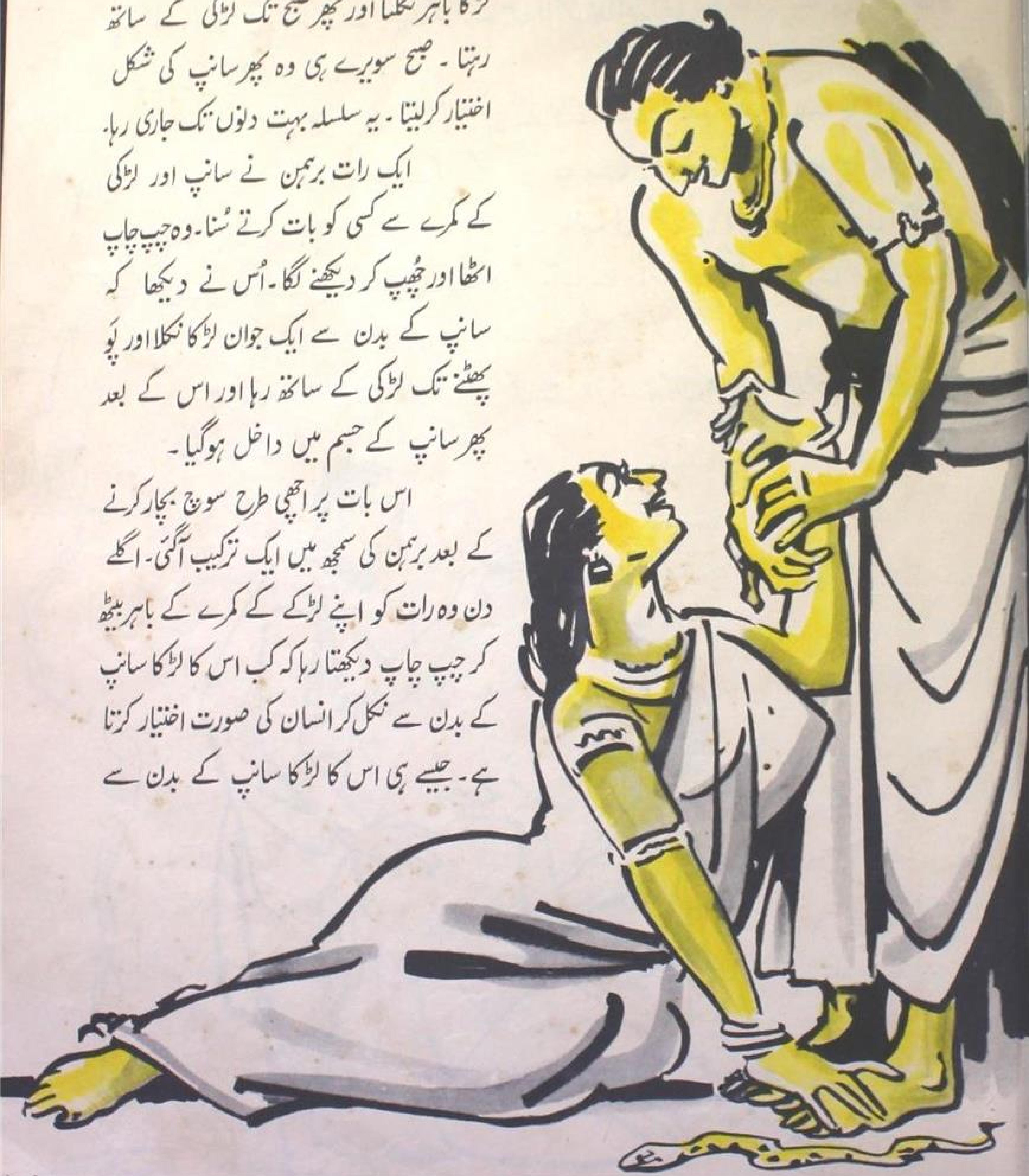
ایک بار رات کے وقت جب وہ لڑکی اپنے بستر پر سونے جارہی تھی، اس نے دیکھا کہ کمرے کے اندر ایک بڑا خوبصورت جوان لڑکا بیٹھا ہے۔ لڑکی نے اسے پہلے کبھی نہیں دیکھا تھا۔ رات کے وقت ایک جوان لڑکے کو اپنے کمرے میں بیٹھا دیکھ کر وہ گھبرا گئی اور بھاگنے ہی والی تھی کہ اُس نے کہا "بھاگو نہیں — کیا تم مجھ کو نہیں پہچانتی؟ میں تمہارا شوہر ہوں۔" لیکن لڑکی نے اُس کی بات کا یقین نہیں کیا۔ اپنی بات کو ثابت کرنے کے لئے وہ لڑکا ایک بار پھر سانپ کے بدن میں گھُس گیا اور دوبارہ پھر اس میں سے آدمی کی طرح نکلا۔ یہ دیکھ کر لڑکی کو اس بات پر یقین ہوگیا اور وہ اس کے قدموں میں گر پڑی۔

اس کے بعد پھر یہ ہوا کہ رات کو جب گھر کے سب لوگ سوجاتے تو سانپ کے بدن سے وہ

لڑکا باہر نکلتا اور پھر صبح تک لڑکی کے ساتھ رہتا۔ صبح سویرے ہی وہ پھر سانپ کی شکل اختیار کرلیتا۔ یہ سلسلہ بہت دنوں تک جاری رہا۔

ایک رات برہمن نے سانپ اور لڑکی کے کمرے سے کسی کو بات کرتے سُنا۔ وہ چپ چاپ اٹھا اور چھُپ کر دیکھنے لگا۔ اُس نے دیکھا کہ سانپ کے بدن سے ایک جوان لڑکا نکلا اور پَو پھٹنے تک لڑکی کے ساتھ رہا اور اس کے بعد پھر سانپ کے جسم میں داخل ہوگیا۔

اس بات پر اچھی طرح سوچ بچار کرنے کے بعد برہمن کی سمجھ میں ایک ترکیب آگئی۔ اگلے دن وہ رات کو اپنے لڑکے کے کمرے کے باہر بیٹھ کر چپ چاپ دیکھتا رہا کہ کب اس کا لڑکا سانپ کے بدن سے نکل کر انسان کی صورت اختیار کرتا ہے۔ جیسے ہی اس کا لڑکا سانپ کے بدن سے



باہر نکلا، ویسے ہی وہ تیزی سے جھپٹ کر کمرے میں داخل ہوا اور اس نے سانپ کے بدن کو اٹھاکر جلتی ہوئی آگ میں پھینک دیا۔

جب سانپ جل کر راکھ ہوگیا تو برہمن کے لڑکے نے اپنے باپ سے کہا — "پتاجی! آپ کا بہت بہت شکریہ۔ اصل بات یہ ہے کہ مجھے کسی نے بددعا دی تھی۔ اس کا اثر یہ ہوا کہ مجھے سانپ کے بدن میں رہنا پڑا۔ میں اُس وقت تک سانپ کی شکل میں رہتا جب تک کوئی آدمی مجھ سے پوچھے بغیر سانپ کے بدن کو جلاکر راکھ نہ کر دیتا۔ آپ نے سانپ کو جلاکر مجھے اس بددعا کے اثر سے آزاد کر دیا۔ اب میں اصلی شکل میں ہمیشہ رہوں گا۔"

پھر تو وہ نوجوان سدا آدمی کی ہی شکل میں رہا اور برہمن کا سارا خاندان مزے میں ہنسی خوشی زندگی گذارنے لگا



اینٹ کا جواب پتھّر

بہت دنوں پہلے کی بات ہے کہ ایک شہر میں نادکؔ نامی ایک بیوپاری رہتا تھا۔ پہلے وہ بہت امیر تھا۔ لیکن ایک مرتبہ اس کی قسمت نے پلٹا کھایا اور روز بہ روز اس کا کاروبار چوپٹ ہوتا چلا گیا اور پھر ایک روز تو یہ نوبت آئی کہ وہ کوڑی کوڑی کو محتاج ہوگیا۔

نادکؔ بہت غمگین تھا لیکن ہاتھ پر ہاتھ دھرے بیٹھے رہنے سے بھی کیا فائدہ ہوتا۔ اس لئے نادکؔ نے سوچا کہ اب یہ شہر چھوڑ کر کہیں پردیس جانا چاہیئے۔ اس کے پاس جو کچھ تھا اُسے بیچ کر پہلے تو اُس نے اپنا قرض ادا کیا، اس کے بعد پردیس جانے کی تیاری شروع کردی۔ سب کچھ بیچ دینے کے بعد نادکؔ کے پاس صرف ایک ہی کام کی چیز بچ گئی اور وہ تھی لوہے کی ایک بھاری چھڑ۔ اس چھڑ کا وزن لگ بھگ پانچ سو کلوگرام تھا۔

پردیس جانے سے پہلے نادکؔ اپنے ایک گہرے دوست لچھمن سے ملنے گیا۔ نادکؔ کی رام کہانی سُن کر لچھمن کو بڑا افسوس ہوا۔ جب اُس نے سُنا کہ نادکؔ شہر چھوڑ کر جارہا ہے تو اُس نے کہا "میرے پیارے دوست! میرے لائق کوئی کام ہو تو بتاؤ۔"

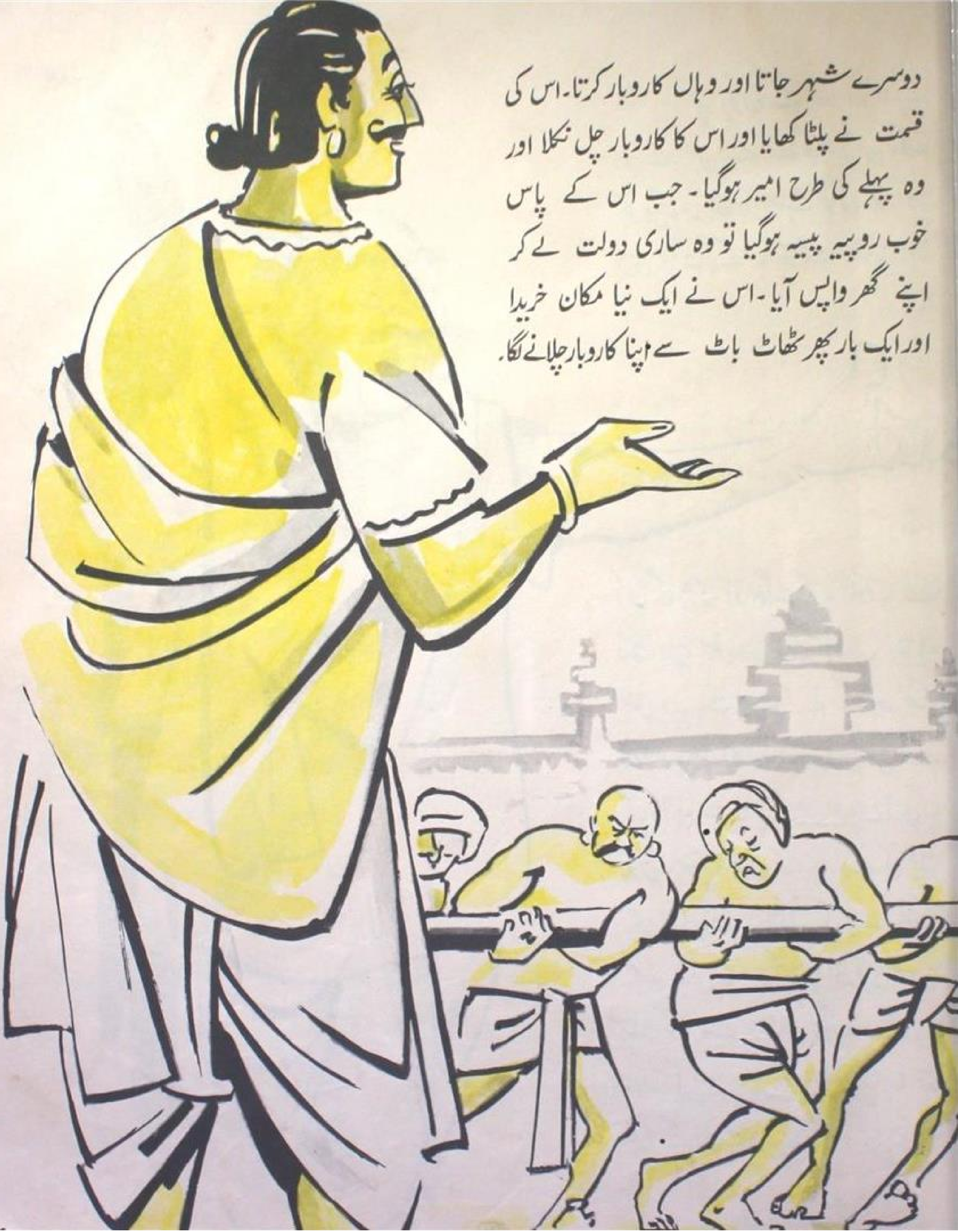


نادک نے کہا "اور تو کچھ نہیں، لیکن میرے پاس لوہے کی ایک بھاری سی چھڑ ہے۔ میں اُسے تمہارے پاس چھوڑ کر جانا چاہتا ہوں۔ اگر تمہیں کوئی تکلیف نہ ہو تو اُسے اپنے یہاں رکھ لو، جب میں واپس آؤں گا تو لے لوں گا۔"

"بس اتنی سی بات ہے۔ بھلا اِس میں کیا تکلیف۔ تم اپنی لوہے کی چھڑ بے فکری سے میرے پاس چھوڑ کر چلے جاؤ۔ تمہاری چیز یہاں بڑی حفاظت سے میرے پاس رکھی رہے گی اور جب بھی تم واپس آکر مانگو گے تو تم کو مِل جائے گی"۔ نادک نے اپنے دوست کا شکریہ ادا کیا۔

کچھ دنوں کے بعد لوہے کی چھڑ لچھمن کے پاس چھوڑ کر نادک پردیس چلا گیا۔

کئی سال تک نادک اِدھر اُدھر گھومتا پھرتا رہا۔ وہ ایک شہر سے



دوسرے شہر جاتا اور وہاں کاروبار کرتا۔ اس کی قسمت نے پلٹا کھایا اور اس کا کاروبار چل نکلا اور وہ پہلے کی طرح امیر ہوگیا۔ جب اس کے پاس خوب روپیہ پیسہ ہوگیا تو وہ ساری دولت لے کر اپنے گھر واپس آیا۔ اس نے ایک نیا مکان خریدا اور ایک بار پھر ٹھاٹ باٹ سے اپنا کاروبار چلانے لگا۔

کچھ دنوں کے بعد وہ اپنے دوست لچھمن سے ملنے گیا۔ لچھمن نادک کو دیکھ کر بظاہر بہت خوش ہوا اور بڑی عزت کے ساتھ اُسے بٹھایا اور



اُس کی بڑی آؤبھگت کی۔ نادک نے اُسے اپنے سفر اور بیوپار کا حال سُنایا۔ کافی دیر بات چیت کرنے کے بعد جب نادک چلنے لگا تو اُس نے لچھمن سے کہا "دوست! اب میں یہاں آہی گیا ہوں۔ سوچتا ہوں کہ اپنی لوہے کی چھڑ بھی لیتا جاؤں۔" نادک کی بات سُن کر لچھمن نے اپنا سر کھجلایا اور ایسی صورت بنالی گویا بہت پریشان ہوگیا۔ دراصل وہ نادک کی چھڑ واپس کرنا نہیں چاہتا تھا۔ اس کے دل میں بے ایمانی آگئی تھی۔ وہ



جانتا تھا کہ چھڑ کو بیچ کر اُس سے اچھے خاصے پیسے مل سکتے ہیں۔ اُس نے نادک سے کہا "بھائی، کیا کروں کچھ سمجھ میں نہیں آتا۔ بڑی بُری خبر ہے تم سے کہوں تو کیسے کہوں۔ میں نے تمہارے لوہے کی چھڑ گودام میں رکھ دی تھی۔ اب کیا کہوں، جب میں گودام میں گیا تو کیا دیکھتا ہوں کہ ساری چھڑ چوہوں نے کُتر کُتر کر کھا ڈالی۔ بد قسمتی سے ایسی چھڑ کا بازار میں ملنا بھی مشکل ہے ورنہ میں خرید کر تمہیں دوسری چھڑ دے دیتا۔"

"ارے، اس میں اتنا پریشان ہونے کی کیا ضرورت ہے۔" نادک نے کہا۔ "جب چھڑ کو چوہوں نے کھا لیا تو اس میں تمہارا کیا قصور۔ دنیا میں ایسی کون سی چیز ہے جو ہمیشہ رہتی ہے۔ چلو اس کا ذکر چھوڑو، جو ہو گیا سو ہو گیا۔" یہ کہہ کر نادک گھر جانے کے لئے مُڑا۔ لیکن اچانک اسے کچھ خیال آیا اور وہ

رُک کر بولا " میں تم کو ایک بات تو بتانا بھول ہی گیا۔ میں نے اپنے پردیس کے سفر میں تمہارے لئے ایک بڑا اچھا تحفہ خریدا تھا۔ تم اپنے لڑکے رامو کو میرے ساتھ کردو۔ میں اسی کے ساتھ بھجوادوں گا۔"



لچھمن ایک تو اپنی چوری پر شرمندہ تھا۔ پھر اُسے تو ایسا لگا کہ وہ دھوکا دینے میں ہی کامیاب نہیں ہوا بلکہ نادک نے اُس کی جھوٹی باتوں کو مان بھی لیا تھا۔ اس کے علاوہ وہ اپنا تحفہ دیکھنے کے لئے بھی بے چین تھا۔ اس لئے اُس نے فوراً اپنے بیٹے رامو کو بلایا اور اسے نادک کے ساتھ بھیج دیا۔

نادک رامو کو لے کر گھر پہنچا اور اُسے بہلا پھُسلا کر تہ خانے میں لے گیا اِس کے بعد اُس نے تہ خانے کا دروازہ بند کردیا اور باہر سے تالا لگاکر چُپ چاپ اپنے کام میں لگ گیا۔ شام تک جب رامو لوٹ کر نہیں آیا تو اس کے باپ کو فکر ہوئی۔ وہ نادک کے پاس گیا اور پوچھنے لگا " بھائی میرا لڑکا ابھی تک لوٹ کر کیوں نہیں آیا؟"

نادک نے بڑے غمگین لہجے میں کہا۔" کیا بتاؤں دوست، میں اُس کو لے کر اپنے گھر

جارہا تھا تو ایک باز نیچے جھپٹا اور رامو کو لے کر اُڑ گیا اور میں دیکھتا رہ گیا۔"

"جھوٹ"۔ لچھمن نے چیخ کر کہا۔ "کہیں ایک باز بھی پندرہ برس کے لڑکے کو لے کر اُڑ سکتا ہے۔"

اس بات پر دونوں میں خوب جھگڑا ہوا۔ ایسی تُو تُو میں میں ہوئی کہ ہر طرف سے لوگ دوڑ پڑے۔ اور ان کے چاروں طرف ایک مجمع اکٹھا ہوگیا۔ آخر جب دونوں میں خوب بحث ہوئی اور اس کے بعد بھی کوئی فیصلہ نہ ہو سکا تو دونوں اپنا معاملہ انصاف کے لئے عدالت میں لے گئے۔

جج کے پاس پہنچتے ہی لچھمن نے چلاّ چلاّ کر کہا "حضور! اِس آدمی نے میرا بچّہ چُرا لیا ہے۔ مہربانی کر کے میرا بچّہ مجھے واپس دلوا دیجئے۔"

جج نے نادکؔ سے پوچھا۔ "کیا تم نے اِس کا بچّہ چُرایا ہے؟"

نادکؔ نے جواب دیا۔ "حضور میں اِس کا بچّہ کیسے چُرا سکتا ہوں؟ اُسے تو میری آنکھوں کے سامنے ایک باز اُٹھا کر لے گیا ہے۔ حضور! آپ ہی بتائیے میں کیا کرتا۔ میں بے بس کھڑا دیکھتا رہا۔"

"تم جھوٹ بولتے ہو۔" جج نے ناراض ہو کر کہا۔ "باز جیسا پرندہ ایک لڑکے کو لے کر کیسے اُڑ سکتا ہے۔"



"حضور!" نادک نے جواب دیا۔ "اگر لچھمن کے گودام میں پانچ سو کلوگرام کے وزن کی لوہے کی چھڑ کو چوہے کُتر کُتر کر کھا سکتے ہیں تو ایک باز لڑکے کو اُٹھا کر کیوں نہیں لے جا سکتا۔"

اس جواب سے جج چونک پڑا اور وہ اس بات کو جاننے کے لئے بے چین ہوگیا۔ اس نے نادک سے کہا "تم ساری بات اچھی طرح سے صاف صاف بتاؤ کہ کیا معاملہ ہے؟" تب نادک نے لوہے کی چھڑ کا قصّہ سُنایا۔ اِس بات کو سُن کر عدالت میں سب لوگ کھِلکھِلا کر ہنس پڑے۔ جج نے لچھمن کو حکم دیا کہ "فوراً نادک کو اُس کی چھڑ واپس کرے اور نادک سے کہا کہ لچھمن کا بیٹا اُس کے حوالے کردے۔ اِس فیصلے سے لچھمن اور نادک دونوں بہت خوش ہوئے۔ لچھمن نے نادک کی چھڑ واپس کردی اور نادک نے اُس کا لڑکا تہ خانے سے نکال کر اُسے دے دیا۔



ایکتا کی طاقت









ایک بار کبوتروں کا ایک جُھنڈ آسمان پر اُڑتا ہوا جا رہا تھا۔ جُھنڈ کے تمام کبوتر دانے کی کھوج میں ہر طرف دیکھتے ہوئے اُڑ رہے تھے۔ لیکن گھنٹوں تلاش کے بعد بھی انہیں اناج کا ایک



دانہ بھی نظر نہ آیا۔ یوں ہی اُڑتے اُڑتے جب وہ ایک جنگل کے اوپر سے گذر رہے تھے تو ایک چھوٹے کبوتر نے اپنے راجا سے کہا " مہاراج ! اس جنگل میں تھوڑی دیر آرام کرلیں ۔"

کبوتروں کے راجا نے کہا " بچے گھبراؤ نہیں ۔ ہمّت سے کام لو ۔ کچھ نہ کچھ کھانے کو ضرور ملے گا ۔"

راجا کی بات سُن کر ننھّا کبوتر چُپ ہوگیا اور چُپ چاپ اُڑنے لگا ۔ مگر وہ بیچارہ بہت تھک گیا تھا ۔ اُسے اُڑنے کے لئے اپنا سارا زور لگانا پڑ رہا تھا ۔ اچانک وہ اپنی ساری تھکاوٹ بھول گیا اور دوسرے کبوتروں کی طرف مُڑا اور بولا " بھائیو ! جلدی کرو ، دیکھو ، نیچے بہت سا اناج دکھائی دے رہا ہے ۔" یہ دیکھ کر کبوتروں کا جُھنڈ نیچے اُتر آیا ۔ اور ننھّے کبوتر کی بتائی ہوئی جگہ پر کیا دیکھتے ہیں کہ بالکل اُن کے نیچے ایک برگد کے پیڑ کے پاس ، چاولوں کے چمکتے ہوئے دانے بِکھرے پڑے ہیں ۔

کبوتروں کے راجا نے کہا "آؤ ساتھیو آؤ۔ اب ڈٹ کر کھانا کھایا جائے۔" وہ سب نیچے اُتر کر چاولوں کے دانے چُگنے لگے۔ یکایک اُن کے اوپر ایک جال آکر گرا اور سارا جھُنڈ اِس بھاری جال میں پھنس گیا۔

"اب کیا ہوگا؟" راجا نے چلاّ کر کہا۔ "ہم سب جال میں پھنس گئے ہیں۔" اسی وقت انہوں نے دیکھا کہ ایک بھاری بھرکم بہیلیا ہاتھ میں ڈنڈا لئے اُن کی طرف آرہا ہے۔

کبوتروں کے راجا نے کہا "ہمیں فوراً کچھ نہ کچھ کرنا چاہیئے نہیں تو بہیلیا آکر ہم کو مار

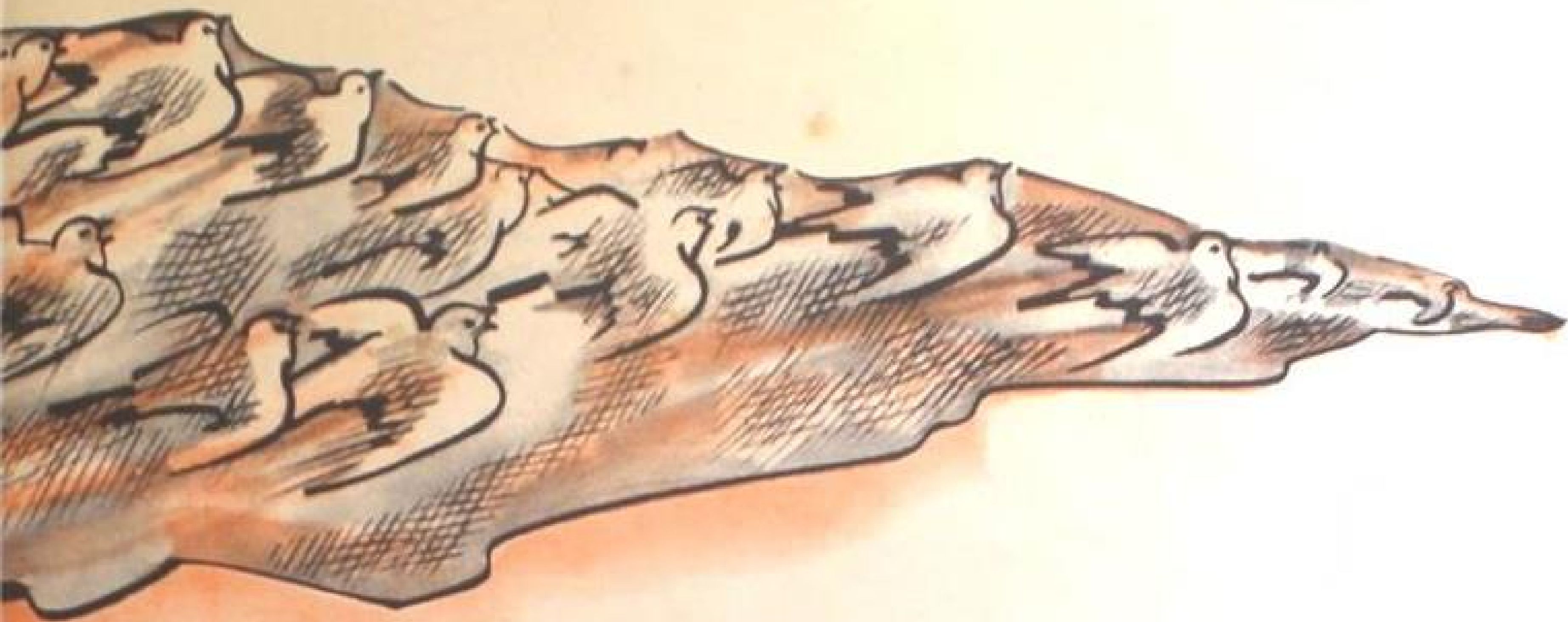




ڈالے گا۔ اب دیر نہ کرنا چاہیئے ـــــ بھائیو! میری سمجھ میں ایک ترکیب آئی ہے۔ آؤ ہم سب مل کر زور لگائیں اور جال سمیت اُڑ چلیں۔ یاد رکھو اب ہماری ایکتا ہی ہماری اُمید ہے " اس وقت بہیلیا جال کے نزدیک آ پہنچا۔ لیکن جیسے ہی وہ جال کی طرف بڑھا، ویسے ہی کبوتروں نے جال کا ایک اک حصّہ پکڑا اور پھُر سے اُڑ گئے۔ کبوتروں کو جال سمیت اُڑتا دیکھ کر بہیلیا چکّر میں پڑگیا۔ اُس نے یہ منظر اس سے پہلے کبھی نہ دیکھا تھا۔ وہ سوچنے لگا کہ اس کا جال ہی اس کو واپس مل جائے۔ یہ سوچ کر وہ کبوتروں کے پیچھے دوڑنے لگا۔ جب کبوتروں نے بہیلیئے کو اپنے پیچھے آتے دیکھا تو وہ پہاڑیوں اور گھاٹیوں کے ٹیڑھے میڑھے راستوں سے اُڑنے لگے۔ پھر بہیلیا اُن کا پیچھا نہ کرسکا اور تھوڑی دیر بعد مایوس ہو کر لوٹ گیا۔

جب بہیلیئے نے کبوتروں کا پیچھا کرنا چھوڑ دیا تب اُن کے راجا نے کہا۔ " دوستو!

ہمارا آدھا خطرہ تو ٹل گیا ہے۔ اب میری رائے ہے کہ ہم سب پہاڑی کے پاس مندروں کی طرف چلیں، وہاں میرا دوست ایک چوہا رہتا ہے۔ وہ اپنے نکیلے دانتوں سے جال کو کاٹ کر ہمیں آزاد کردے گا۔" یہ بات سُن کر سارے کبوتر خوش ہوگئے اور بولے "ہاں ہاں چلو، وہیں چلیں۔"



اس طرح شور مچاتے ہوئے وہ مندروں کے پاس جا پہنچے۔

جب کبوتروں کا پورا جُھنڈ ایک ساتھ چوہے کے بِل کے پاس اُترا تو اُن کے پَروں کی پھڑپھڑاہٹ سے چوہا ڈر گیا اور بِل کے آخری کونے میں جاکر چُھپ گیا۔ کبوتروں کے راجا نے اسے باہر سے پکار کر کہا کہ "ہم تمہارے پاس مدد کے لئے آئے ہیں۔" راجا کی آواز سُن کر چوہے نے بِل کے دروازے کے پاس آکر جھانکا اور اپنے دوستوں کی آواز سُن کر



بہت خوش ہوا۔

"بھائی ہم ایک بہیلیے کے جال میں پھنس گئے ہیں" کبوتروں کے راجا نے کہا۔ "لیکن جب وہ ہمارے نزدیک آیا تو ہم جال سمیت اُڑ کر بھاگے۔ اب تم مہربانی کر کے ہمیں اس جال سے نکالو"



"ابھی لو" چوہے نے کہا۔ "میں ابھی تمہارے بندھن کاٹے دیتا ہوں" یہ کہہ کر وہ سب سے پہلے کبوتروں کے راجا کو آزاد کرنے کے لئے آگے بڑھا۔



"نہیں نہیں"۔ راجا نے کہا۔ "پہلے تم میرے ساتھیوں کو آزاد کرو۔"
ننھّا چوہا بہت ہوشیار تھا۔ وہ جانتا تھا کہ راجا کے دل میں اپنی رعایا سے کتنی محبّت ہوتی ہے۔ اُس نے ذرا سی دیر میں ایک ایک کرکے تمام کبوتروں کے بندھن کاٹ ڈالے اور پھر راجا کو بھی آزاد کر دیا۔
کبوتروں نے اپنی جان بچانے والے ننھّے چوہے کا شکریہ ادا کیا۔



برہمن کا خواب





کسی زمانے میں ایک برہمن تھا۔ وہ بھیک مانگ کر اپنی گذر کیا کرتا تھا۔ کبھی کبھی تو اُسے کئی کئی دن بھوکا رہنا پڑتا۔ اُسے بڑی مشکل سے ایک وقت کا کھانا ملتا۔ مگر ایک دن اُس کی قسمت ایسی چمکی کہ کسی نے اُس کو ایک ہانڈی بھر آٹا دے دیا۔ اتنا آٹا پاکر برہمن مارے خوشی کے پھولا نہ سمایا۔ وہ ہانڈی لے کر گھر پہنچا اور اسے اپنے بستر کے پاس لٹکاکر آرام سے



لیٹ گیا۔ اُس کے بالکل پاس ہی آٹے کی ہنڈیا تھی اور اُس کی آنکھیں ہنڈیا پر جمی ہوئی تھیں۔ وہ ٹِکٹکی باندھے اُسے دیکھ رہا تھا۔

اُس نے لیٹے لیٹے سوچا "کاش میرے پاس بھی روپیہ پیسہ ہوتا تو مجھے بھیک مانگنے کے لئے در بہ در کی ٹھوکریں نہ کھانی پڑتیں"۔ یہی سوچتے سوچتے وہ خیالی پلاؤ پکانے لگا۔



”ہنڈیا میں ڈھیر سارا آٹا بھرا ہے“۔ اُس نے سوچا ”اتنا آٹا اگر میں کئی دن بیٹھے بیٹھے کھاؤں تو ختم نہ ہو۔ مگر میں اسے اپنے پاس کیوں رکھوں۔ بیچ کیوں نہ دوں۔ دیس میں قحط پڑا ہوا ہو تو اسے اچھے خاصے داموں میں بیچا جاسکتا ہے۔ میں بازار جاؤں گا اور زور سے چِلّاؤں گا ”آٹا

لے لو آٹا۔" میں جگہ جگہ پھیری لگاتا پھروں گا اور آواز لگاؤں گا " بڑھیا آٹا تازہ آٹا ۔ آٹا لے لو آٹا۔" پھر میرا آٹا خریدنے کے لئے بہت سے لوگ جمع ہوجائیں گے۔"

"اِدھر آؤ ۔ ہم تمہارا آٹا خریدیں گے۔" ایک آدمی کہے گا۔ "مگر دس روپئے سے



زیادہ نہیں دیں گے۔"

دوسرا آدمی کہے گا " واہ تم دس روپئے دے رہے ہو۔ میں پندرہ روپیہ دوں گا۔"

"ارے پندرہ روپیہ کیا چیز ہے۔" تیسرا آدمی کہے گا "میں بیس روپیہ دوں گا۔"



بس پھر میں بیس روپیہ میں یہ سارا آٹا بیچ دوں گا۔
تب میرے پاس روپیہ ہی روپیہ ہو جائے گا۔ لیکن بیس روپیہ کس کام آئے گا۔
میں اُن سے ایک جوڑی جوتا اور دھوتی خریدوں گا۔ نہیں نہیں۔ جوتا اور دھوتی سے کیا ہوگا۔
میں بیس روپیہ میں کوئی کاروبار کروں گا —— کاروبار —— سب سے پہلے میں دو بکریاں



خریدوں گا - انہیں ہری ہری گھاس اور کونپلیں کِھلاؤں گا - پھر میری بکریوں کے بچّے ہوں گے۔
چھوٹے چھوٹے پیارے پیارے بچّے - بچّے بڑے ہوں گے - تب میرے پاس کچھ نہیں تو دس
بکریاں ہوجائیں گی - میں دس بکریوں کو بازار لے کر جاؤں گا ـــــ "بکریاں لے لو بکریاں" ـــــ



میں خوب زور زور سے آوازیں لگاؤں گا۔ "موٹی تازی بکریاں۔" بکریاں دیکھ کر ایک دیہاتی دوڑا دوڑا آئے گا۔ اس کے سر پر لال پگڑی اور بدن پر نیلا کُرتا ہوگا۔ وہ کہے گا۔ "اہا ——



یہی تو میں ڈھونڈ رہا تھا۔" وہ فوراً سو روپیہ دے کر بکریاں خرید لے گا۔ "ہاں ہاں سو روپیہ
پورے سو روپیہ۔"

اس طرح میرے پاس پورے سو روپے ہو جائیں گے۔ ان سو روپے سے میں کیا کروں گا۔ میں ایک لال ریشمی کوٹ خریدوں گا یا پھر ایک خوبصورت پلنگ لوں گا۔ نہیں میں



اپنا روپیہ برباد نہیں کروں گا۔ میں اس سے دو گائیں خریدوں گا۔ گایوں کے بچھیاں ہوں گی۔ یہی بچھیاں بڑے ہو کر گائیں بن جائیں گی۔ اس طرح میرے پاس ڈھیروں گائیں اور ڈھیروں بچھیاں ہو جائیں گی۔ وہ بہت سا دودھ دیں گی۔ میں دودھ دہی اور گھی کا بیوپار کروں گا۔ پھر برفی، رس گلّے، گلاب جامن بناؤں گا۔ اس کے بعد میں ایک دوکان کھولوں گا اور دوکان میں مٹھائیوں کا ڈھیر لگا دوں گا۔



"مٹھائی لے لو ۔ بڑھیا مٹھائی" میں زور زور سے آواز لگاؤں گا ——— لے لو تازہ مزے دار مٹھائی ۔"

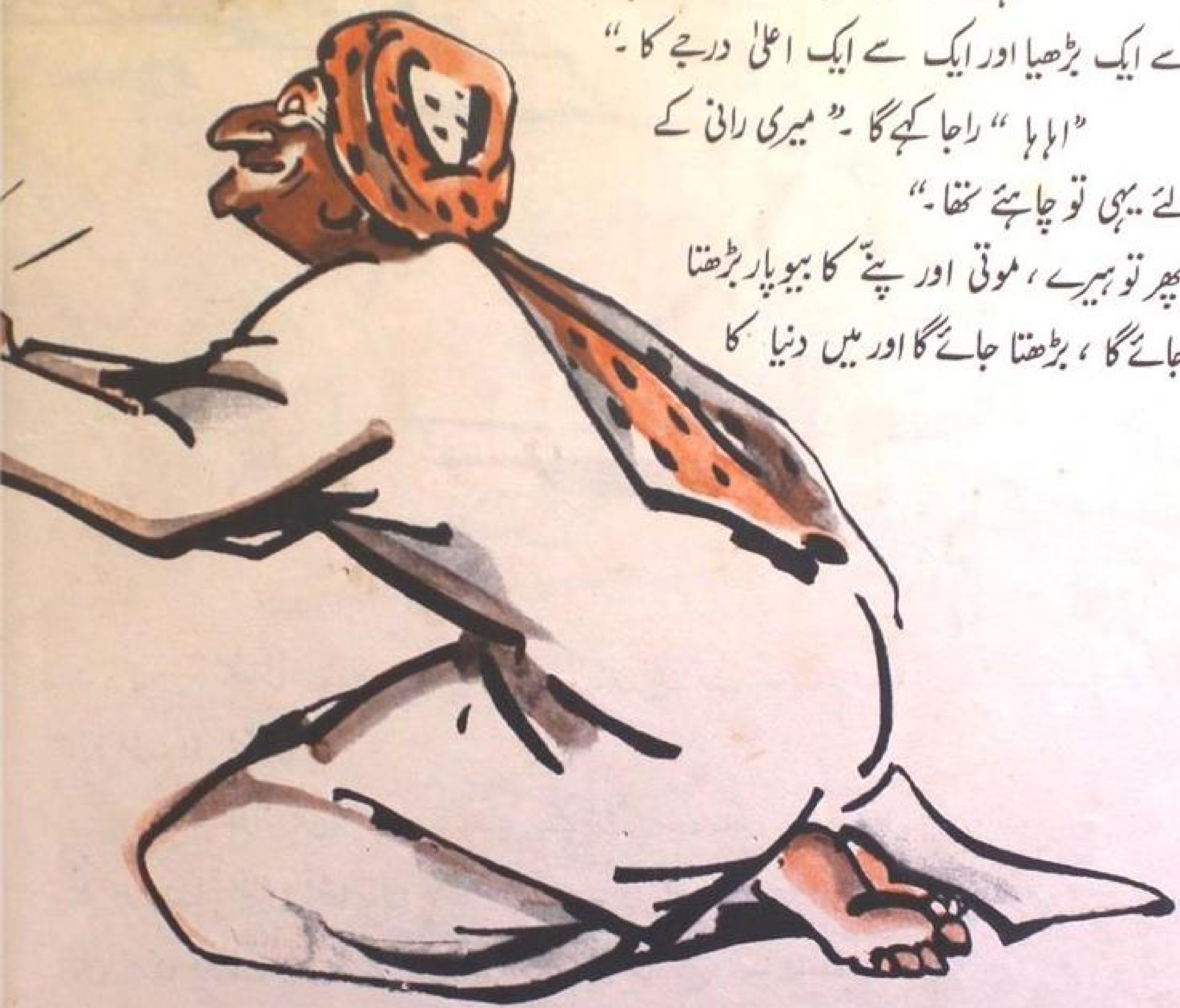
یہ آواز سُن کر ہر طرف سے بچّے دوڑیں گے ۔ اُن کے ہاتھوں میں چاندی کے چمکتے سکّے ہوں گے ۔ میری مٹھائیاں دیکھ کر ان سب کی رال ٹپکنے لگے گی ۔ پھر عورت ، مرد ، بوڑھے سبھی میری دوکان میں آنے لگیں گے ۔ خریداروں کی بھیڑ لگ جائے گی ۔

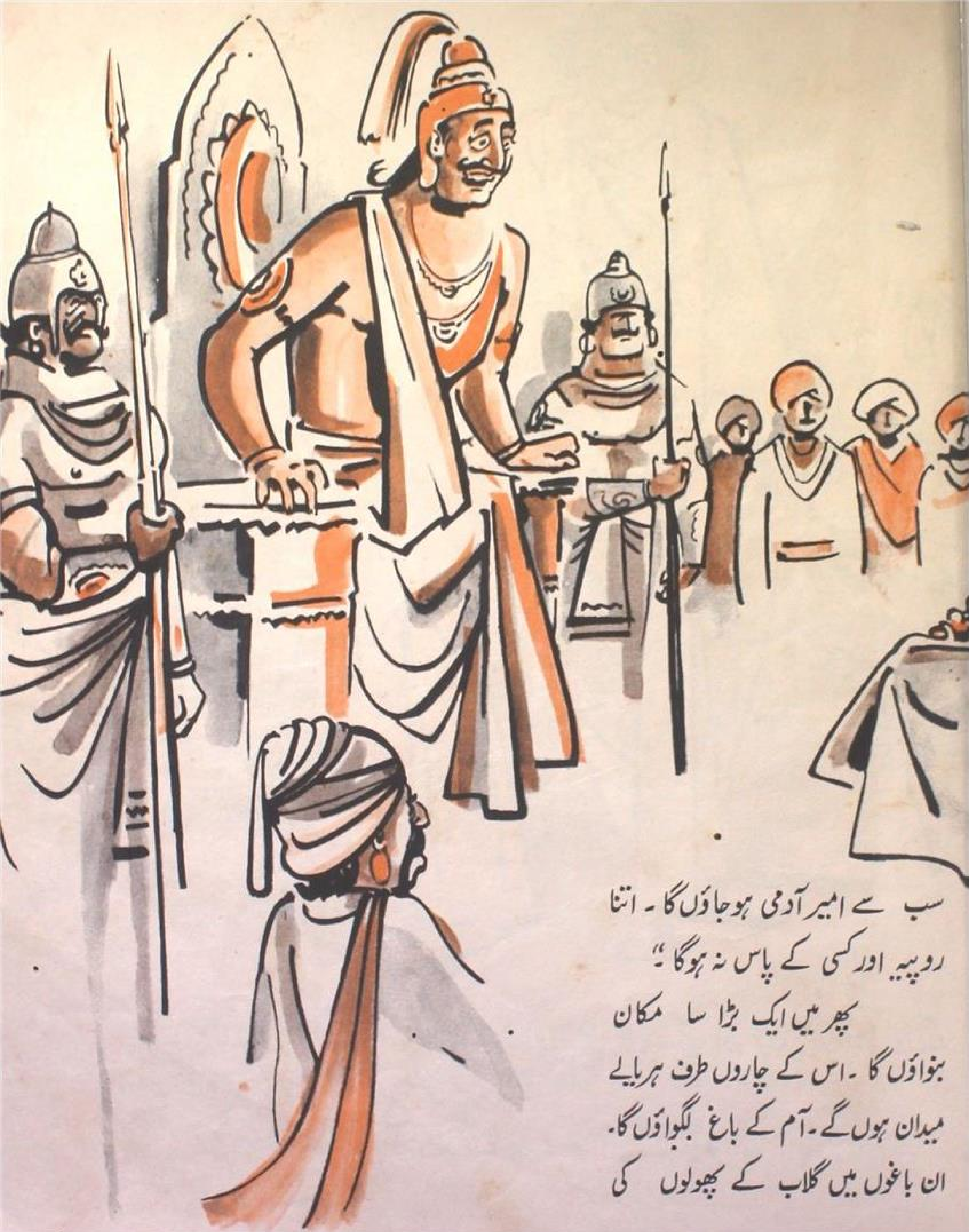
میرا کاروبار خوب زوروں پر چلے گا۔ میں روز بہ روز امیر ہوتا جاؤں گا۔ میرے پاس روپیوں کا ڈھیر لگ جائے گا۔ روپیہ ہی روپیہ۔ لیکن اتنے روپیہ سے میں کروں گا کیا؟ ہاں میں ایک ہاتھی خریدوں گا یا ایک مندر بنوادوں گا۔ نہیں نہیں —— یہ سب کچھ نہیں ان سے کیا فائدہ —— میں ایک سے ایک خوبصورت ہیرے جواہرات خریدوں گا۔ پھر ہیرے جواہرات کا کاروبار کروں گا۔ اس طرح پھر ایک خوبصورت نیلا کوٹ اور ایک بڑھیا قسم کی پگڑی پہن کر راجا کے پاس جاؤں گا۔"

"مہاراج!" میں کہوں گا۔ "میں آپ کے لئے ہیرے، پنّے اور موتی لایا ہوں۔ ایک سے ایک بڑھیا اور ایک سے ایک اعلیٰ درجے کا۔"

"اہاہا" راجا کہے گا۔ "میری رانی کے لئے یہی تو چاہئے تھا۔"

پھر تو ہیرے، موتی اور پنّے کا بیوپار بڑھتا جائے گا، بڑھتا جائے گا اور میں دنیا کا





سب سے امیر آدمی ہو جاؤں گا۔ اتنا روپیہ اور کسی کے پاس نہ ہوگا۔"

پھر میں ایک بڑا سا مکان بنواؤں گا۔ اس کے چاروں طرف ہریالے میدان ہوں گے۔ آم کے باغ لگواؤں گا۔ ان باغوں میں گلاب کے پھولوں کی



کیاریاں ہوں گی ۔ خوبصورت تالاب ہوں گے ۔ تالابوں میں لال ، نیلے اور پیلے کنول کِھلے ہوں گے اور اُن کے آس پاس سفید سفید ہنس تیریں گے ۔

پھر ایک سے ایک دولت مند لوگ میرے گھر آئیں گے ۔ کہیں گے " ہماری بیٹی سے

شادی کرلو۔" میں کہوں گا "نہیں ـــــ" پھر راجا اپنی بیٹی کا رشتہ لے کر آئے گا۔ میں کہوں گا "ہاں"ـــــ پھر لمبے بال اور پیاری آنکھوں والی خوبصورت راجکماری سے میری شادی ہوجائے گی۔

کچھ دنوں کے بعد میرے ہاں ایک لڑکا ہوگا۔ پھر دوسرا لڑکا اور پھر ایک لڑکی۔ میں باغ میں بیٹھ کر اپنے بچّوں سے کھیلا کروں گا۔ جب میں آرام کرنے جاؤں گا تو اپنی بیوی سے کہوں گا



"اب تم بچّوں کو کھلاؤ۔" مگر میری بیوی اور کاموں میں لگی ہوگی اور میرے پیچھے پیچھے بچّے چلے آئیں گے۔ مجھے یہ بات بہت بُری لگے گی۔ میں انہیں چلاّ کر بھگاؤں گا۔ لیکن بچّے تو بچّے ہی ہوتے ہیں۔ وہ مجھے اور پریشان کریں گے۔ پھر تو مجھے بہت غصّہ آئے گا۔ میں ایک چھڑی اُٹھاؤں گا

اور انہیں پیٹتے ہوئے کہوں گا "بدمعاشو! ٹھہرو تو سہی۔ ابھی تم کو ٹھیک کرتا ہوں۔"

یہ سوچتے ہوئے برہمن نے اپنا ہاتھ اُٹھایا آٹے کی ہانڈی پر دے مارا۔ ہنڈیا دھم سے زمین پر گِری اور گِر کر ٹکڑے ٹکڑے ہوگئی۔ ہنڈیا گِرنے کی آواز سُن کر برہمن چونک کر بولا۔

"یہ کیسی آواز ہے؟"

جب اُس نے اُٹھ کر دیکھا تو نہ کہیں بچّے تھے، نہ راجکماری، نہ وہ باغ، اُس کے بالکل سامنے ٹوٹی ہوئی ہنڈیا کے ٹکڑے پڑے تھے اور چاروں طرف آٹا بکھرا ہوا تھا۔

تین عالم اور ایک ان پڑھ



کسی زمانے میں ایک چھوٹے سے شہر میں چار آدمی رہتے تھے۔ ان چاروں میں بڑی گہری دوستی تھی۔ وہ ایک دوسرے کو بہت چاہتے تھے اور زیادہ تر ایک ساتھ رہتے تھے۔ ان میں سے تین آدمی تو بڑے پڑھے لکھے عالِم تھے۔ انہوں نے اتنا پڑھ لیا تھا کہ اب اس سے زیادہ اور کیا پڑھتے۔ لیکن اتنا پڑھ لکھ لینے کے بعد بھی اُن میں معمولی سوجھ بوجھ نہ تھی۔ چوتھا دوست اَن پڑھ تھا لیکن تھا وہ بہت سمجھ دار۔



ایک بار چاروں دوست ایک جگہ بیٹھے یہ باتیں کر رہے تھے کہ کس طرح اپنے علم سے فائدہ اُٹھا کر اپنا رہن سہن بہت اچھا بنایا جائے۔ بات چیت کرتے ہوئے ایک عالم نے کہا "ہمیں دور دراز ملکوں کا سفر کرنا چاہیئے تاکہ دنیا بھر کے لوگوں کے بارے میں معلومات حاصل ہوں۔ اِس سفر میں ہماری ملاقات بڑے بڑے راجاؤں اور جاگیرداروں سے ہو جائے گی اور پھر ہم آسانی سے مالامال ہو جائیں گے۔"

یہ بات سب کو پسند آئی اور تینوں نے کہا کہ ہمیں دنیا کا سفر کرنا چاہیے۔ لیکن اس وقت ایک عالم نے کہا " ہم تینوں تو عالم ہیں۔ ہم نے سارے علم پڑھ رکھے ہیں۔ اس لئے ہمارا کامیاب ہونا تو یقینی ہے لیکن ہمارے اِس چوتھے دوست کا کیا ہوگا۔ یہ تو بالکل بُدھو ہے۔ یہ کچھ کرنے سے تو رہا، اُلٹا ہم پر بوجھ بن جائے گا۔"



اِس پر دوسرے عالِم نے کہا " ہمارا فائدہ اِسی میں ہے کہ اسے گھر پر ہی چھوڑ دیا جائے۔
تیسرے عالِم نے کہا " دوستوں کے ساتھ یہ برتاؤ کرنا ٹھیک نہیں ہے۔ یہ سچ ہے کہ اُس نے لکھنے پڑھنے کی طرف کبھی دھیان نہیں دیا، لیکن یہ ہمارے بچپن کا دوست ہے۔ ہم اسے چھوڑکر نہیں جاسکتے۔" پھر انھوں نے چوتھے اَن پڑھ دوست کی طرف مُڑکر کہا "ہمارے پیارے

دوست چلو، تم بھی ہمارے ساتھ چلو۔ ہم جو کچھ کمائیں گے، اس میں تمہارا بھی حصہ ہوگا۔"

اس طرح آپس میں طے کرکے یہ چاروں دوست ساتھ ساتھ اپنے لمبے سفر پر چل پڑے۔

چلتے چلتے وہ ایک گھنے جنگل میں جا پہنچے۔ اس جنگل میں ایک جگہ پر کسی جنگلی جانور کی ہڈیاں بکھری پڑی تھیں۔ ہڈیوں کو دیکھ کر ان میں سے ایک عالِم نے کہا "یہ دیکھو، یہاں کسی جانور کی ہڈیاں ہیں۔ یہ ہمارے علم کو پرکھنے کا سنہری موقع ہے۔ آؤ ہم اِس جانور کو زندہ کردیں۔"

اِس پر پہلے عالِم نے کہا "میں اِس کی ہڈیاں اکٹھا کرکے اس کا پورا ڈھانچا تیار کرسکتا ہوں۔"

دوسرے عالِم نے کہا "میں اِس ڈھانچے میں کھال، گوشت اور خون وغیرہ بھر سکتا ہوں۔"

تیسرا عالِم بولا "میں اِس میں جان پھونک سکتا ہوں۔"

بس پھر کیا تھا۔ پہلے عالِم نے ہڈیوں کو جمع کرکے ڈھانچہ تیار کردیا۔ دوسرے عالِم نے اس میں کھال، گوشت اور خون وغیرہ بھر دیا اور تیسرا عالم اس میں جان پھونکنے کے لئے آگے بڑھا۔ لیکن جیسے ہی وہ اپنا کمال دکھانے والا تھا، ویسے ہی چوتھا اَن پڑھ آدمی چلّا کر بولا "ٹھہرو اِس میں جان نہ ڈالو، دیکھتے نہیں یہ تو شیر ہے۔ کیا تم شیر کو زندہ کردوگے۔"

اِس پر تیسرا عالم ناراض ہوکر بولا "ٹھہر تو بیوقوف! کیا تجھ کو میرے علم پر شک ہے۔



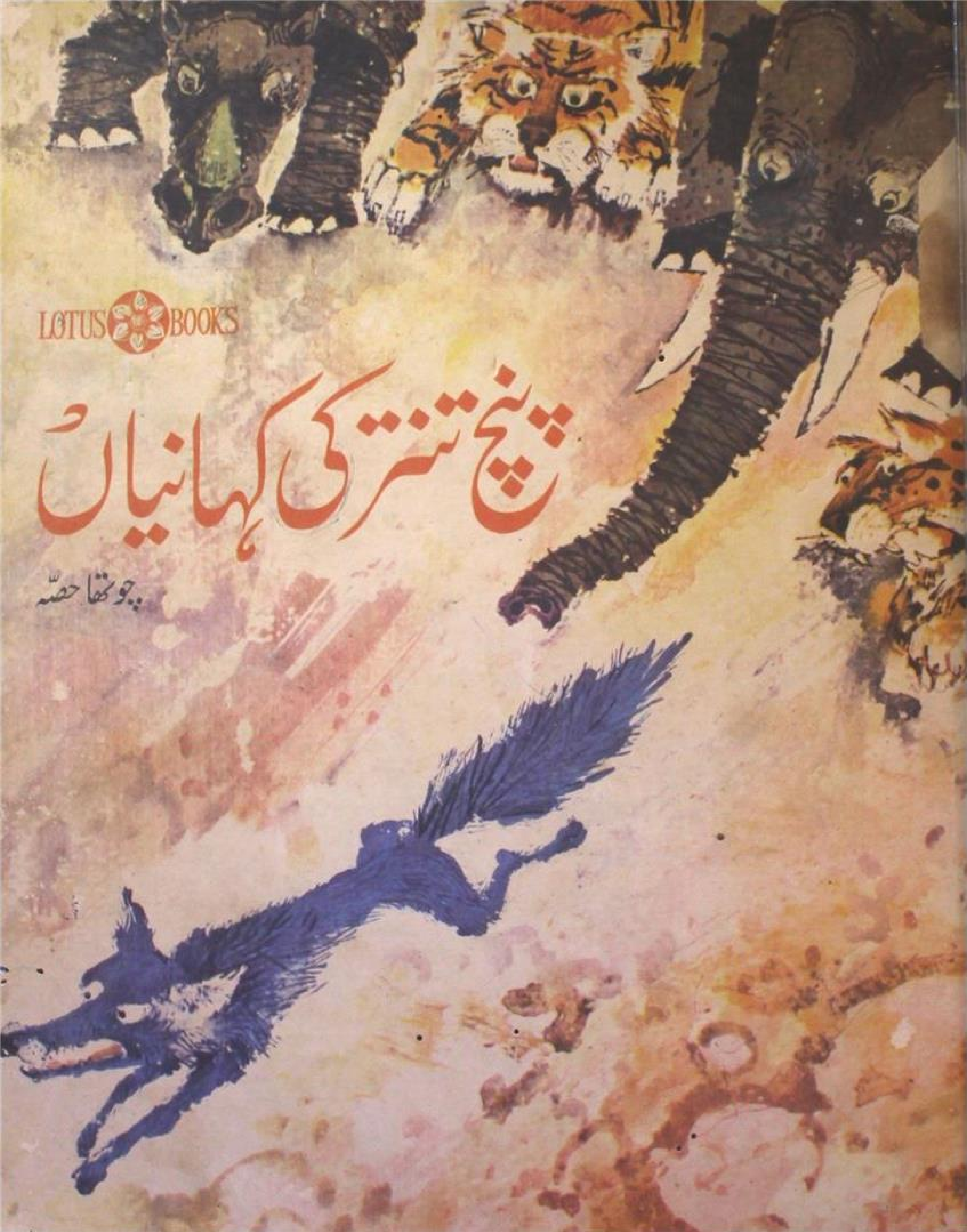
میں تو اِسے زندہ کر کے ہی چھوڑوں گا۔"

"اگر تمہاری یہی مرضی ہے تو یہی کرو۔" چوتھے آدمی نے کہا "لیکن ذرا دو منٹ ٹھہر جاؤ۔" یہ کہہ کر وہ دوڑتا ہوا بھاگا اور ایک اونچے پیڑ پر چڑھ گیا۔ اب تیسرے عالِم نے



شیر میں جان ڈال دی۔ اب جو دیکھتے ہیں کہ اُس ڈھانچہ کی جگہ پر ایک زندہ شیر کھڑا ہے۔ جیسے ہی اس میں جان پڑی، اُس نے پہلے تو گرجنا شروع کیا، پھر تیزی کے ساتھ جھپٹ کر اس نے تینوں عالموں کو جان سے مار ڈالا۔

چوتھا اَن پڑھ چپ چاپ پیڑ پر بیٹھا دیکھتا رہا۔ جب شیر وہاں سے چلا گیا تب وہ نیچے اُترا اور پھر اپنے گھر واپس آ گیا۔


LOTUS BOOKS
پنچ تنتر کی کہانیاں
چوتھا حصّہ



پنچ تنتر کی کہانیاں

چوتھا حصّہ

مصنّف : شیو کمار

مترجم : ساحر ہوشیارپوری

آرٹسٹ : پلک بسواس





فہرست

قیمت : —— ۷ روپے

باراوّل : —— ۱۹۷۴

تعداد : —— ۳ ہزار

پبلشرز : چلڈرنس بک ٹرسٹ، نہرو ہاؤس، ۴ بہادر شاہ ظفر مارگ نئی دہلی
برائے ترقی اُردو بورڈ، وزارتِ تعلیم، حکومت ہند

پرنٹر : —— اِندر پرستھ پریس، نئی دہلی



پیش لفظ

حکومتِ ہند نے اُردو زبان میں کتابیں تیار اور شائع کرنے کے لئے ترقیِ اُردو بورڈ قائم کیا ہے۔ مقصد یہ ہے کہ یونیورسٹیوں، علمی انجمنوں، مصنفوں، مترجموں، استادوں اور ناشروں کے اشتراک وتعاون سے اُردو میں سائنس کی کتابیں، بچّوں کی ضرورت اور دل چسپی کی کتابیں لکھوائی اور شائع کی جائیں اور ان موضوعات پر دوسری زبانوں کی مستند کتابوں کے ترجمے شائع کیے جائیں۔ اس اسکیم کے تحت چھ سو سے زائد کتابیں تصنیف وتالیف کے مختلف مراحل میں ہیں۔

زیرِ نظر کتاب اسی سلسلے کی ایک کڑی ہے جو وزارتِ تعلیم وسماجی بھلائی کے اہتمام میں چلڈرن بُک ٹرسٹ نئی دہلی کی وساطت سے شائع ہو رہی ہے۔ امید کی جاتی ہے کہ یہ کتاب طالب علموں، استادوں اور ان تمام حلقوں میں پسند کی جائے گی جنھیں ایک قومی زبان کی حیثیت سے اُردو کے فروغ اور ترقی میں دل چسپی ہے۔

(نورالحسن)

وزیرِ تعلیم۔ حکومت ہند

نیلا گیدڑ

ایک دفعہ ایک گیدڑ کھانے کی تلاش میں مارا مارا پھر رہا تھا۔ وہ دن بھی اس کے لئے کتنا منحوس تھا۔ اسے دن بھر بھوکا ہی رہنا پڑا۔ وہ بھوکا اور تھکا ہارا چلتا رہا۔ راستہ ناپتا رہا۔ بالآخر لگ بھگ دن ڈھلے وہ ایک شہر میں پہنچا۔ اسے یہ بھی احساس





تھا کہ ایک گیدڑ کے لئے شہر میں چلنا پھرنا خطرے سے خالی نہیں ہے۔ لیکن بھوک کی شدّت کی وجہ سے یہ خطرہ مول لینے پر مجبور تھا۔ "مجھے بہرحال کھانے کے لئے کچھ نہ کچھ حاصل کرنا ہے۔" اس نے اپنے دل میں کہا۔ "لیکن خدا کرے کہ کسی آدمی یا کتّے سے دوچار ہونا نہ پڑے۔"

اچانک اس نے خطرے کی بو محسوس کی۔ کتّے بھونک رہے تھے۔ وہ جانتا تھا کہ وہ اس کے پیچھے لگ جائیں گے۔



وہ ڈر کر بھاگا۔ لیکن کتّوں نے اُسے دیکھ لیا اور اس کے پیچھے دوڑ پڑے۔ کتّوں سے پیچھا چھُڑانے کے لئے گیدڑ تیز بھاگنے لگا لیکن کتّے اس کے قریب پہنچ گئے۔ گیدڑ جلدی سے ایک مکان میں گھُس گیا۔ یہ مکان ایک رنگریز کا تھا۔ مکان کے صحن میں نیلے رنگ سے بھرا ہوا ایک ٹب رکھا ہوا تھا۔ گیدڑ اس ٹب میں جا گِرا۔



کتّوں نے گیدڑ کو ڈھونڈنے کی لاکھ کوشش کی مگر اس کا کہیں پتہ نہیں چلا۔ کتّے ہار کر واپس چلے گئے۔ گیدڑ اس وقت تک ٹب میں چھپا رہا جب تک کتّوں کے چلے جانے کا اس کو یقین نہ ہوگیا۔ پھر وہ آہستہ آہستہ ٹب سے باہر نکل آیا۔ وہ پریشان تھا کہ اب وہ کیا کرے۔ اس نے سوچا کہ اس سے پہلے کہ کوئی آدمی یا کتّا دیکھ لے جنگل واپس چلنا چاہیئے۔

وہ جلدی جلدی جنگل واپس آیا۔ جن جانوروں نے اسے دیکھا،

ڈر کر بھاگے۔ آج تک انھوں نے اس رنگ کا جانور نہیں دیکھا تھا۔

گیدڑ بھانپ گیا کہ سبھی جانور اس سے ڈر رہے ہیں۔ بس پھر کیا تھا۔ اس کے دماغ میں ایک ترکیب آئی۔ وہ چیخ چیخ کر جانوروں کو پکارنے لگا۔ "ٹھیرو۔ دم لو۔ کہاں جاتے ہو؟ یہاں آؤ۔ میری بات سُنو۔"

سارے جانور رُک کر گیدڑ کو تاکنے لگے۔ اس کے پاس جاتے ہوئے وہ اب بھی ڈر رہے تھے۔ گیدڑ پھر چلاّ کر بولا۔ "آؤ میرے پاس آؤ۔ اپنے سبھی دوستوں کو بُلا لاؤ۔ مجھے تم سب سے ایک ضروری بات کہنا ہے۔"

ایک ایک کر کے سبھی جانور نیلے گیدڑ کے پاس پہنچے۔ چیتے، ہاتھی، بندر، خرگوش، ہرن۔ غرض سبھی جنگلی جانور اس کے چاروں طرف کھڑے ہو گئے۔





چالاک گیدڑ نے کہا کہ "مجھ سے ڈرو نہیں۔ میں تمہیں کوئی نقصان نہیں پہنچاؤں گا۔ خدا نے مجھے تمہارا بادشاہ بناکر بھیجا ہے میں ایک بادشاہ کی طرح سب کی حفاظت کروں گا۔"

سب جانوروں نے اس کی بات کا یقین کرلیا اور اس کے سامنے سر جھکاکر بولے "ہمیں آپ کی بادشاہت قبول ہے۔ ہم اس خدا کے بھی شکرگذار ہیں جس نے آپ کو ہماری حفاظت کی ذمہ داری سونپ دی ہے۔ ہم آپ کے حکم کے منتظر ہیں۔"



نیلے گیدڑ نے کہا۔ "تمہیں اپنے بادشاہ کی اچھی طرح دیکھ بھال کرنی ہوگی۔
تم مجھے ایسے کھانے کھلایا کرو جو بادشاہ کھاتا ہے۔" "ضرور حضور والا!"
تمام جانوروں نے ایک ہی آواز میں کہا۔ "ہم دل و جان سے اپنے بادشاہ کی
خدمت کریں گے۔ فرمایئے اس کے علاوہ ہمیں اور کیا کرنا ہوگا؟"

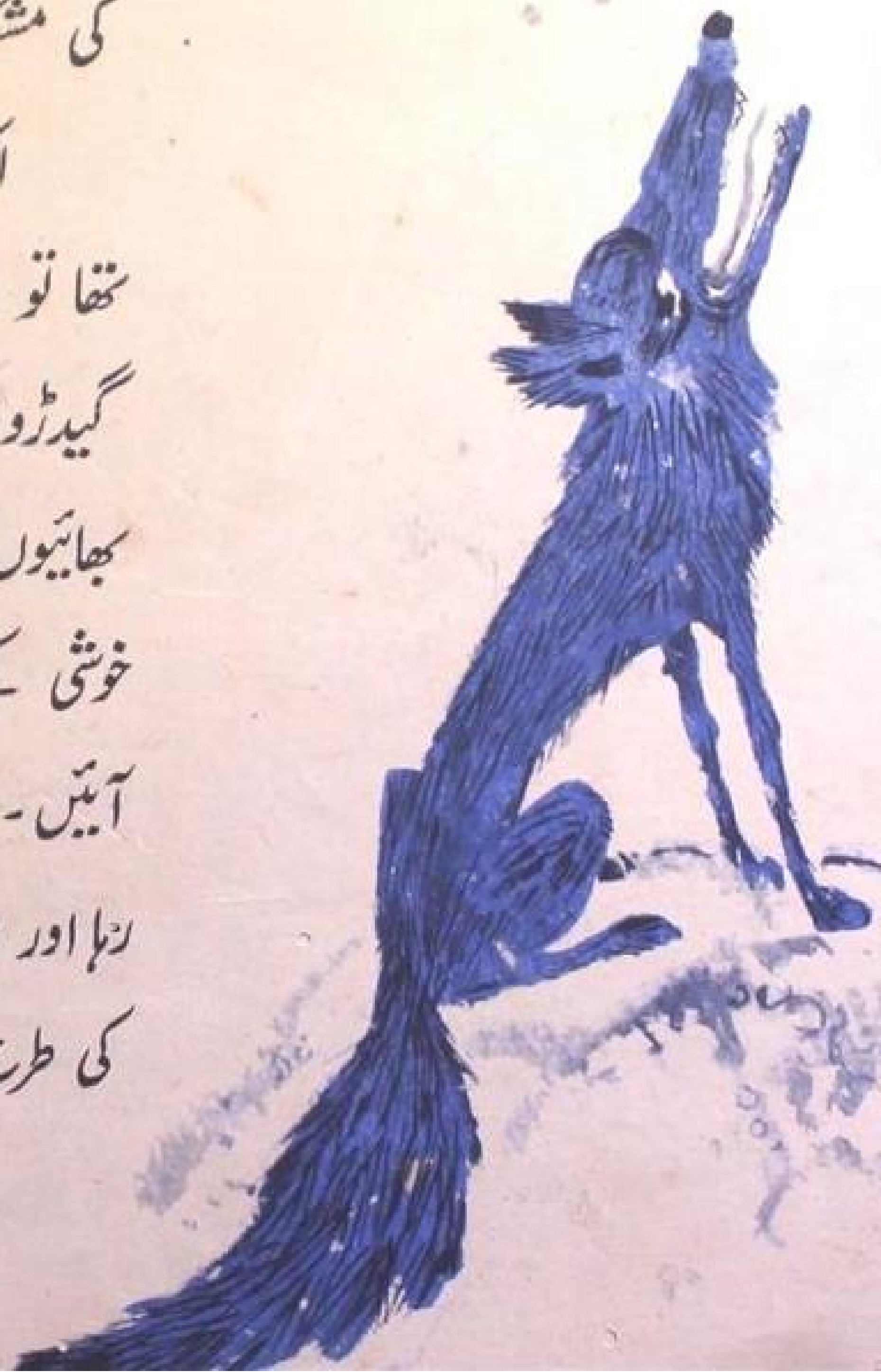
"تمہیں اپنے بادشاہ کا وفادار رہنا ہے۔" نیلے گیدڑ نے جواب دیا۔
"تبھی تمہارا بادشاہ تمہیں دشمنوں سے محفوظ رکھ سکتا ہے۔"

گیدڑ کی اس بات نے سبھی جانوروں کی تسلّی کردی۔ وہ اس کے لئے
قِسم قِسم کے مزیدار کھانے لانے لگے اور اس کی خاطر مدارات کرنے لگے۔



گیدڑ اب بادشاہ کی طرح رہنے لگا۔
سب جانور روزانہ اس کی خدمت میں
حاضر ہوکر اسے سلام کرتے اپنی مشکلیں اسے
بتاتے۔ بادشاہ ان کی باتوں کو سنتا اور ان
کی مشکلوں کا حل بتاتا۔

ایک دن جب بادشاہ دربار میں بیٹھا
تھا تو دور سے کچھ شور سنائی دیا۔ یہ
گیدڑوں کے غول کی آواز تھی۔ اب اپنے
بھائیوں کی آواز سُنی تو بہت خوش ہوا اور
خوشی کے آنسوؤں سے اس کی آنکھیں بھر
آئیں۔ اسے اپنی بادشاہت کا بھی خیال نہ
رہا اور اپنا سر اٹھاکر اس نے بھی گیدڑوں
کی طرح بولنا شروع کردیا۔





اس کا بولنا تھا کہ جانوروں پر اس کی اصلیت کُھل گئی۔ انہیں معلوم ہوگیا کہ یہ رنگا ہوا سیار ہے۔ اس نے انہیں دھوکے میں رکھا ہے۔ سب جانور مارے غصّہ کے اُسے پھاڑ کھانے کے لئے اس پر چڑھ دوڑے۔ لیکن گیدڑ نے تو پہلے ہی سے بھاگنا شروع کردیا تھا۔ وہ بھاگتا گیا تیز اور تیز۔ اور آخر کار سب کی پہنچ سے باہر ہوگیا۔ اور اس طرح اس کی جان بچی۔



برہمن اور بکری



ایک دفعہ ایک برہمن کو دان میں
ایک بکری ملی۔ بکری کو اپنے کندھوں پر
لاد کر برہمن اپنے گھر کو روانہ ہوا۔ تین
ٹھگوں نے برہمن کو بکری لے جاتے ہوئے
دیکھ لیا۔ وہ تینوں بھوکے تھے۔ وہ چاہتے
تھے کہ کسی طرح بکری ہتھیا کر ہڑپ کر جائیں۔
"بکری خاصی موٹی تازی ہے۔"
ان میں سے ایک نے کہا۔



"ہاں" دوسرا بولا۔ "یہ بکری ہم تینوں کے لئے بڑھیا خوراک بن سکتی ہے۔ لیکن اسے حاصل کیسے کیا جائے؟ ویسے تو دے گا نہیں یہ برہمن۔"

"سنو"، تیسرے ٹھگ نے کہا۔ "مجھے ایک تجویز سوجھی ہے۔" یہ کہہ کر اس نے دوسرے دو ٹھگوں کے کان میں کچھ کہا۔ وہ دونوں کھل کھلاکر ہنس پڑے۔ پھر تینوں کودتے پھاندتے ہوئے آگے نکل گئے۔

برہمن چلتا جارہا تھا۔ اچانک ایک ٹھگ کہیں سے نکلا اور برہمن کے سامنے آ کھڑا ہوا۔

"مہاراج۔" ٹھگ نے نرمی سے کہا۔ "آپ ایک کتّے کو اپنے کندھوں پر کیوں اٹھائے لے جارہے ہیں؟" برہمن تو کتّے کو یقیناً ناپاک اور نحس

سمجھتے ہیں۔ مجھے تو ایک برہمن کے کندھوں پر کتّا دیکھ کر حیرت سی ہو رہی ہے۔"

"کتا!" برہمن چلاّیا۔ "تم کیا بک رہے ہو، کیا تم اندھے ہو۔ یہ تو بکری ہے۔ جو مجھے ابھی ابھی دان میں ملی ہے۔"

"حضور مجھ سے خفا نہ ہوں۔" ٹھگ نے نرمی سے کہا "میں تو وہی عرض کر رہا ہوں جو دیکھ رہا ہوں۔ مجھے کچھ نہیں کہنا ہے۔ میری خطا معاف کیجئے حضور۔" اتنا کہہ کر ٹھگ نو دو گیارہ ہوگیا۔

برہمن غصے میں بڑبڑاتا ہوا چلتا رہا۔ تھوڑی ہی دور سڑک پر دوسرا



ٹھگ برہمن سے آٹکرایا۔ اس نے پہلے برہمن کو اور پھر بکری کو دیکھا۔
"پنڈت جی" ٹھگ نے افسوس بھرے لہجے میں کہا "آپ کو ایک مُردہ بچھڑا اپنے کندھوں پر نہیں اٹھانا چاہیئے۔ آپ خوب جانتے ہیں کہ برہمن کے لئے ایک مُردہ جانور کو اٹھائے پھرنا ٹھیک نہیں ہے۔"
"مُردہ جانور۔ مُردہ بچھڑا؟" برہمن نے چلاّ کر کہا۔ "یہ کیا بیہودگی ہے؟ کیا تم اندھے ہو؟ کیا تم دیکھ کر بھی زندہ بکری پہچان نہیں سکتے؟





یہ تو ایک بکری ہے جو مجھے ابھی ابھی دان میں ملی ہے۔"

"آپ مجھ پر ناراض نہ ہوں حضور۔" دوسرے ٹھگ نے نہایت نرمی سے جواب دیا۔" اگر آپ بچھڑے کو لے جانا ہی چاہتے ہیں چاہے وہ مُردہ ہو یا زندہ تو مجھے اس سے کیا سروکار۔ میں اور کچھ نہیں کہتا۔ جو آپ کی مرضی"۔

برہمن بدستور چلتا رہا۔ اب وہ کچھ فکرمند سا ہوگیا تھا۔ کبھی کبھی وہ بکری کی طرف دیکھتا بھی جا رہا تھا اور اسے وہ بکری ہی نظر آرہی تھی۔

لیکن جلد ہی تیسرا ٹھگ اس سے آ ملا۔ "گستاخی معاف حضور" تیسرے ٹھگ نے کہا " میں عرض کرنا چاہتا ہوں کہ آپ جو کچھ کر رہے ہیں بہت ہی نامناسب ہے۔"

"نامناسب؟" برہمن نے پوچھا۔ "کیا نامناسب ہے؟"

"ایک مقدس ہستی کے لئے ایک گدھے کو اٹھائے پھرنا نامناسب ہے حضور۔ برہمن کے لئے ایسے ناپاک جانور کو چھونا بھی جائز نہیں، یہ تو آپ خود ہی سمجھ سکتے ہیں۔ اس سے پہلے کہ آپ کی اس حرکت پر کسی اور کی نظر پڑے آپ اسے پھینک دیجئے۔ حضور۔"

اب برہمن الجھن میں پڑ گیا۔ غصے کی بجائے سخت پریشان تھا۔ یہ تیسرا شخص تھا جو اس سے ملا تھا۔ اور تینوں نے بکری کو ایک مختلف شکل میں دیکھا تھا۔ پہلے نے کتے کی شکل میں۔ دوسرے نے مُردہ بچھڑے کی شکل میں اور اب تیسرے نے اسے گدھے کی صورت میں۔





”کہیں یہ بکری بھوت یا چڑیل تو نہیں ؟ جو ہر چند منٹ کے بعد اپنی صورت بدل دیتی ہے ؟ غالباً ان آدمیوں کا خیال ٹھیک معلوم ہوتا ہے۔“

مارے خوف کے برہمن نے بکری کو زمین پر پھینک دیا اور سر پر پاؤں رکھ کر اپنے گھر کی جانب بھاگا۔ ٹھگ نے بکری کو اٹھالیا اور اپنے دوستوں کی جانب تیزی سے لپکا۔ وہ اپنی چال کی کامیابی پر بہت خوش تھے۔ اس طرح انہیں بڑا مزیدار کھانا ملا۔

عقلمند بوڑھا ہنس

ایک گھنے جنگل میں بہت اونچا درخت تھا۔ پتّوں سے لدی ہوئی اس کی شاخیں مضبوط بازوؤں کی طرح پھیلی ہوئی تھیں ۔ اس درخت پر جنگلی ہنسوں کا ایک جُھنڈ رہتا تھا۔ وہ یہاں ہر طرح سے محفوظ تھے۔ ان میں ایک ہنس کافی بوڑھا اور عقل مند تھا۔

ایک دن اس عقل مند ہنس نے درخت کی جڑ میں ایک بیل دار پودا دیکھا۔
اُس نے دوسرے پرندوں سے اس کا ذکر کیا۔
"کیا تم اس بیل کو دیکھ رہے ہو؟" اس نے دوسرے پرندوں سے کہا۔
"اسے ختم کردو۔"
"ہم اسے کیوں ختم کردیں؟" ہنسوں نے حیرانی سے پوچھا۔ "یہ بہت ہی چھوٹا ہے۔ اس سے ہمیں کیا نقصان پہنچ سکتا ہے؟"



"دوستو!" عقل مند بوڑھے ہنس نے کہا۔ "یہ بیل جلد ہی بڑی ہوجائے گی اور رفتہ رفتہ ہمارے درخت پر چڑھنا شروع کردے گی۔ پھر یہ گھنی اور مضبوط ہوجائے گی۔"

"پھر کیا ہوگا؟" ہنسوں نے پوچھا۔ "یہ بیل ہمارا کیا بگاڑ سکتی ہے؟"

"کیا تم اتنی سی بات نہیں سمجھ سکتے؟" عقل مند بوڑھے ہنس نے جواب دیا۔ "اِس بیل کی مدد سے کوئی بھی ہمارے درخت پر چڑھ سکتا ہے۔ کوئی



شکاری ایسا کرسکتا ہے اور ہم سب کو جان سے مار سکتا ہے۔"

"خیر ایسی جلدی بھی کیا ہے۔" انہوں نے جواب دیا۔" یہ بیل بہت ہی چھوٹی ہے۔ اسے ابھی سے تباہ کرنے پر ہمیں دُکھ ہوگا۔"

"اس بیل دار پودے کو ابھی سے تباہ کردو۔" عقل مند بوڑھے ہنس نے کہا۔ ابھی تو یہ نرم ہے اور تم آسانی سے اسے کاٹ سکتے ہو۔ اس کے بعد یہ سخت ہوجائے گی اور تم اسے کاٹ نہیں سکو گے۔"

"دیکھا جائے گا۔ دیکھا جائے گا۔" ہنسوں نے جواب دیا۔

لیکن انہوں نے بیل کو نہیں کاٹا۔ وہ عقل مند بوڑھے ہنس کے مشورے کو بھول گئے۔ بیل روز بروز بڑھنے لگی اور درخت پر چڑھتی گئی۔ وقت گزرتا گیا اور بیل مضبوط سے مضبوط تر ہوتی گئی۔ آخرکار وہ ایک موٹے رسّے کی

طرح مضبوط ہوگئی۔
ایک صبح جب ہنسوں کا جُھنڈ دانے کی تلاش میں گیا ہوا تھا تو ایک شکاری ان کے درخت کے پاس آپہنچا۔
"تو یہ ہے وہ جگہ جہاں ہنس رہتے ہیں" شکاری نے دل ہی دل میں کہا۔
"شام کو جب وہ لوٹیں گے تو میں انہیں اپنے جال میں پھنسا لوں گا۔"
شکاری اِس بَل کھائی ہوئی بیل کے ذریعے درخت پر چڑھ گیا۔ درخت کی



چوٹی پر پہنچ کر اس نے اپنا جال بچھا دیا۔ پھر وہ نیچے اُتر آیا اور چلا گیا۔

شام کو جب ہنس واپس آئے تو شکاری کا جال اُنہیں دکھائی نہیں دیا۔ وہ جیسے ہی درخت پر بیٹھے ویسے ہی جال میں پھنس گئے۔ انہوں نے بہت کوشش کی لیکن وہ جال سے نکل نہ سکے۔

"بچاؤ۔ بچاؤ۔" ہنس گڑگڑائے۔ "ہم شکاری کے جال میں پھنس گئے ہیں۔ آہ اب کیا کریں؟"

"اب اس طرح شور و غل نہ مچاؤ۔" عقل مند بوڑھے ہنس نے کہا۔ "بہت پہلے ہی میں نے تمہیں بیل کاٹنے کو کہا تھا لیکن تم نے میری ایک نہ

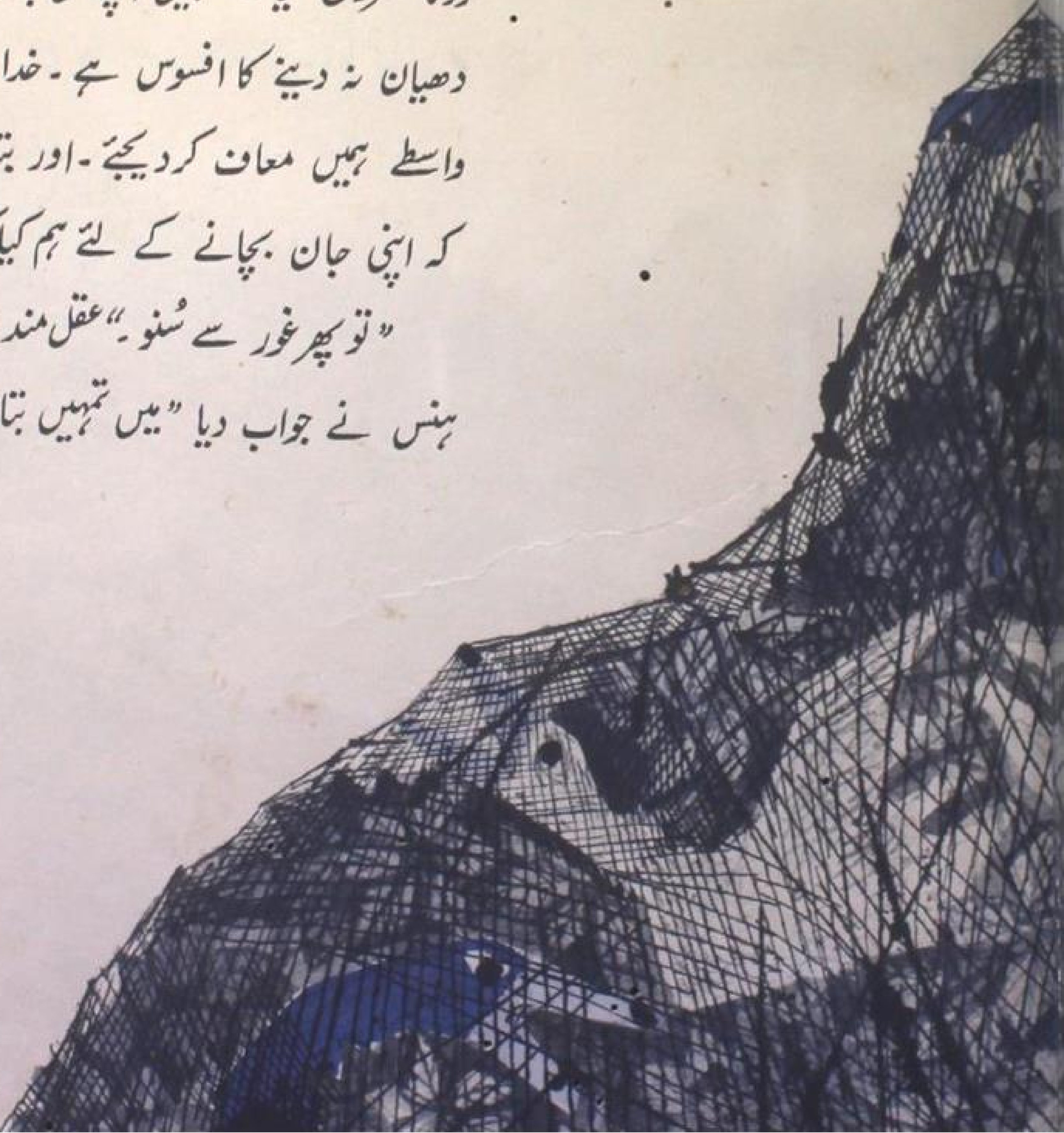




سُنی ۔ اب اس کا نتیجہ تمہارے سامنے ہے۔
کل صبح تک شکاری واپس آئے گا ۔ وہ
بیل ہی کی مدد سے اوپر چڑھے گا اور ہم
سب کو مار ڈالے گا ۔"

"ہم نے حماقت کی ۔" پرندوں نے
رونا شروع کیا ۔" ہمیں آپ کی بات پر
دھیان نہ دینے کا افسوس ہے ۔ خدا کے
واسطے ہمیں معاف کر دیجئے ۔ اور بتائیے
کہ اپنی جان بچانے کے لئے ہم کیا کریں؟"

"تو پھر غور سے سُنو ۔" عقل مند بوڑھے
ہنس نے جواب دیا "میں تمہیں بتاتا ہوں



تمہیں کیا کرنا چاہیئے۔"

"بتایئے خدارا بتایئے۔" تمام ہنس چلاّئے۔

"صبح جب شکاری آئے۔" عقل مند بوڑھے ہنس نے کہا۔ "تو تم سب ایسے بن جانا جیسے مُردہ ہو۔ بس دم سادھے لیٹے رہنا۔ شکاری مُردہ پرندوں کو کوئی نقصان نہیں پہنچائے گا۔ وہ ہمیں ایک ایک کرکے زمین پر پھینک دے گا۔ تاکہ نیچے آکر ہمیں اکٹھا کرکے گھر لے جائے۔ جب وہ آخری پرندے کو پھینک دے تو ہم سب اُڑ جائیں۔"

صبح کو شکاری درخت کے پاس آیا اور بیل کے سہارے درخت پر چڑھ گیا۔



اس نے جال میں پھنسے ہنسوں کو دیکھا۔ سبھی پرندے مُردہ لگ رہے تھے۔ شکاری نے ایک ایک کرکے پرندوں کو جال سے نکالا اور زمین پر پھینکنے لگا۔ پرندے چپ سادھے پڑے رہے۔ جب آخری پرندہ زمین پر پہنچا تو یکایک تمام پرندے زندہ ہوگئے اور اُٹھ کر اُڑ گئے۔

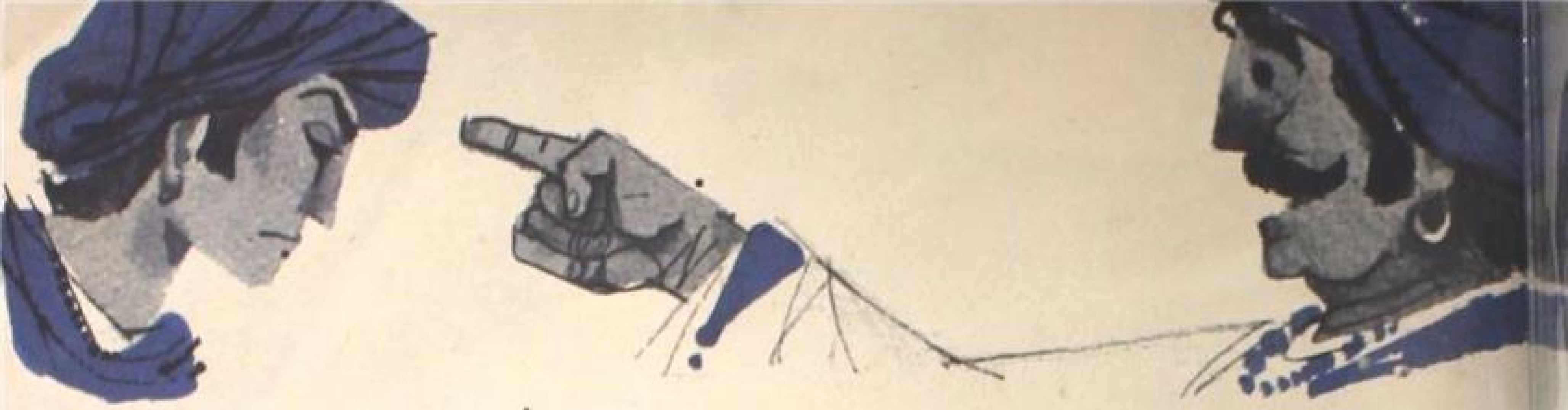
شکاری نیچے آیا۔ وہ پرندوں کے بچ نکلنے کی ترکیب پر بہت حیران ہوا۔





چور کی قربانی

بہت دنوں کی بات ہے تین کم عمر لڑکے ایک جگہ رہتے تھے۔ وہ بڑے گہرے دوست تھے۔ ان میں سے ایک شہزادہ تھا جو بادشاہ کا سب سے چھوٹا لڑکا تھا۔ دوسرا وزیر کا لڑکا تھا اور تیسرا ایک امیر بیوپاری کا لڑکا تھا۔ یہ تینوں دوست ہمیشہ اکٹھا رہا کرتے تھے۔ انہیں پڑھنے لکھنے سے ذرا بھی دلچسپی نہیں تھی اور نہ ہی وہ کوئی اور کام کرتے۔ بس کھیل کود میں ان کا وقت کٹ جاتا تھا۔ ایک دن



بادشاہ نے اپنے لڑکے کو بلا کر کہا۔ "تم اپنا وقت ضائع کر رہے ہو۔ اپنے آپ کو ٹھیک کرو۔"



وزیر نے بھی اپنے لڑکے کو بُلا کر کہا۔ "مجھے تمہارے طور طریقے پسند نہیں۔ تم اپنے طریقے بدلو۔"

اسی طرح بیوپاری نے بھی اپنے لڑکے کو بلا کر کہا۔ "تم اپنا رویہ درست کر لو ورنہ میں تمہیں گھر سے باہر نکال دوں گا۔"





تینوں دوست اکٹھے ہوئے۔ ایک دوسرے کو اپنے اپنے والد کی باتیں بتائیں۔

"میرے والد نے کہا ہے کہ تم اپنی حالت درست کرو۔" شہزادے نے کہا۔
"بالکل یہی بات میرے والد نے بھی کہی ہے۔" وزیر کے لڑکے نے کہا۔ "میرے باپ نے بھی یہی بات کہی ہے۔" بیوپاری کے لڑکے نے کہا۔ "اس نے یہ بھی کہا ہے اگر تم نے اپنی حالت درست نہیں کی تو تم کو گھر سے نکال دوں گا۔"

"یہ بہت بری بات ہے۔" شہزادے نے کہا۔ "ہم ایسی باتیں برداشت نہیں کر سکتے۔ چلو کہیں بھاگ چلیں۔"

"لیکن ہم کیسے جا سکتے ہیں۔" وزیر کا لڑکا بولا۔ "ہمارے پاس پیسے تو ہیں نہیں۔ ہمیں اپنے والد سے ہی پیسے لینے پڑیں گے۔"

"ہم کیوں نہ خود ہی پیسوں کا بندوبست کرنے کی سوچیں۔" بیوپاری کے

لڑکے نے مشورہ دیا۔

"یہاں سے کچھ ہی دور ایک پہاڑ ہے اور اس پہاڑ کی چوٹی پر ہیرے اور قیمتی پتھر پائے جاتے ہیں۔"

"تو پھر چلو اسی پہاڑ پر چڑھ جائیں۔" شہزادے نے کہا۔ "اگر ہمیں ہیرے اور قیمتی پتھر مل جائیں تو ہم اپنے والد کی امداد کے بغیر ہی زندگی گزار سکتے ہیں۔"

تینوں دوست سفر پر روانہ ہوگئے۔ راستے میں انہوں نے ایک چوڑا دریا پار کیا اور ایک گھنے جنگل سے گزرے۔ آخر کار وہ پہاڑ تک پہنچے اور اس کی چوٹی پر چڑھ گئے ان کی قسمت نے ساتھ دیا اور ہر ایک کو ایک ایک بیش قیمت ہیرا مل گیا۔

"اب ہم واپس چلیں۔" انہوں نے کہا۔

جب وہ پہاڑ سے نیچے اُتر کر آئے۔ تو انہیں راستے کی دشواری کا خیال آیا۔ انہیں ایک بار پھر گھنے جنگل سے گزرنا ہوگا۔

"جنگل میں چور اور ڈاکو بھی ہیں۔" بیوپاری کے لڑکے نے کہا۔ "وہ ہمیں جان سے مار کر ہمارے ہیرے چھین لیں گے۔"

"یہ ٹھیک ہے۔" شہزادے نے اتفاق کرتے ہوئے کہا۔ "ہمیں ہیروں کو حفاظت سے گھر تک لے جانے کی ترکیب سوچنا چاہیے۔"

"میں بتاسکتا ہوں کہ ہمیں کیا کرنا چاہیئے۔" وزیر کا لڑکا بولا۔ "جنگل میں داخل ہونے سے پہلے ہمیں ہیروں کو نگل لینا چاہیئے۔ ہم انہیں اپنے پیٹ کے اندر حفاظت سے رکھ کر لے جاسکیں گے۔"

"یہ اچھا خیال ہے۔" شہزادے نے اتفاق کرتے ہوئے کہا۔ "کسی کو خبر نہیں ہوگی کہ ہیرے کہاں ہیں۔"

جنگل کے نزدیک پہنچ کر وہ کھانا کھانے بیٹھے اور کھانے کے ساتھ ہیرے بھی نگل گئے۔



اتفاق سے ایک چور ان کا پیچھا کرتا آرہا تھا۔ اس نے ان کی بات چیت سن لی تھی اور انہیں ہیرے نگلتے بھی دیکھ لیا تھا۔

چور خوش تھا۔ اس نے کہا کہ "تینوں دوستوں کو ختم کرکے خود ہیروں پر قبضہ کرے گا۔"

تینوں دوست جنگل میں داخل ہونے ہی والے تھے کہ چور نے انہیں جالیا اور کہنے لگا "میرے بالکو! سامنے ایک گھنا جنگل ہے مجھے اس میں سے اکیلا گزرتے ہوئے ڈر لگ رہا ہے۔ کیا میں آپ کے ساتھ سفر کرسکتا ہوں؟"

تینوں نے اسے اپنے ساتھ سفر کرنے کی اجازت دے دی۔ اپنے ساتھ ایک اور آدمی کو شامل پاکر انہیں خوشی ہوئی۔ جنگل ہی میں ایک گاؤں پڑتا تھا۔





گاؤں کے مکھیا کے پاس ایک طوطا تھا۔ وہ اپنے طوطے سے بڑا پیار کرتا تھا۔ مکھیا اس کی زبان اچھی طرح سمجھتا تھا اور اسے یہ بھی یقین تھا کہ طوطا ہمیشہ سچ ہی بولتا ہے۔

چاروں آدمی گاؤں آ پہنچے۔ وہ مکھیا کے گھر کے پاس سے گزرے۔ جونہی وہ وہاں سے گزرے طوطا بولنے لگا "مسافروں کے پاس ہیرے ہیں" وہ چلاّ کر کہنے لگا۔ "مسافروں کے پاس ہیرے ہیں"



مکھیا نے طوطے کی بات سُن لی۔ وہ ہیرے خود حاصل کرنا چاہتا تھا۔ اس نے فوراً ہی مسافروں کو پکڑ لانے کے لئے



آدمی روانہ کیے۔ چور اور تینوں دوست مکھیا کے پاس لائے گئے۔

مکھیا نے ان کی تلاشی لی۔ لیکن اسے ہیرے کہیں نہ ملے۔" اس بار میرا طوطا دھوکا کھا گیا ہے۔" اس نے دل میں سوچا۔ اس نے مسافروں کو رہا کرنے کا حکم دے دیا۔ چاروں نے اپنی راہ پکڑی۔

ان کے گاؤں چھوڑتے ہی طوطا پھر بولا۔" مسافروں کے پاس ہیرے ہیں،" وہ چیخ کر بولا۔

" میرا طوطا کبھی جھوٹ نہیں بولتا،" مکھیا نے کہا۔" مسافروں کے پاس ہیرے یقیناً ہیں۔"



چور اور تینوں دوست ایک بار
پھر پکڑ کر لائے گئے ۔ انہیں پھر مکھیا کے
سامنے پیش کیا گیا ۔ اس بار مکھیا نے
ان کے سارے کپڑے اتروا دیئے لیکن
ہیروں کا پھر بھی کوئی پتہ نہیں ملا ۔
" میرا طوطا ہمیشہ سچ بولتا ہے "
اس نے کہا ۔ " ہیروں کا کچھ پتہ نہیں ۔



شاید تم نے انہیں نگل رکھا ہے۔" چور اور تینوں دوست خاموش رہے۔

"میں جانتا ہوں کہ اب مجھے کیا کرنا چاہیئے۔" مکھیا کہتا رہا۔ "کل صبح تمہارے پیٹ پھاڑ ڈالوں گا۔ پھر مجھے ہیرے مل جائیں گے۔"

مکھیا نے چاروں مسافروں کو ایک کمرے میں بند کروا کر تالا لگوا دیا اور کچھ آدمیوں کو ان کی نگرانی پر مقرر کر دیا۔

انہیں بھلا نیند کیا آتی۔ سب کے سب بُری طرح ڈرے ہوئے تھے۔ اگلی صبح جو بھیانک انجام ہونے والا تھا وہ رات بھر اسی کے بارے میں سوچتے رہے۔

چور بیٹھا سوچتا رہا۔ "میرے پیٹ میں تو کوئی ہیرا نہیں۔" اس نے دل ہی دل میں کہا۔ "میں مکھیا سے کہوں گا کہ پہلے میرا پیٹ پھاڑ کر دیکھے تو اسے کوئی ہیرا نہیں ملے گا۔ پھر وہ سمجھے گا کہ ہم میں سے کسی کے پاس ہیرے نہیں ہیں اور وہ باقی تینوں کو چھوڑ دے گا۔ مجھے تو بہر حال مرنا ہے تو کیوں نہ میں ان تین نوجوانوں کی جان بچالوں۔"

صبح ہوئی تو مکھیا مسافروں کے پیٹ چاک کرنے کے لئے تیار بیٹھا تھا۔ چور نے مکھیا سے عاجزی سے کہا "مجھ سے اپنے پیارے بھائیوں کی موت دیکھی نہیں جائے گی۔" اس نے کہا اس لئے مہربانی کر کے سب سے پہلے میرا پیٹ پھاڑ کر دیکھ لیجیے۔"

بھلا مکھیا کو اس سے کیا انکار ہو سکتا تھا۔ وہ راضی ہو گیا۔

چور کا پیٹ پھاڑ کر دیکھا گیا تو اس میں کوئی ہیرا نہیں تھا۔

"آہ۔" وہ چیخا۔ "میں نے ناحق اس شخص کا خون کیا ہے۔ میرے طوطے سے غلطی ہوئی ہے۔"





مکھیا نے تینوں دوستوں کو آزاد کر دیا۔ انہوں نے اپنا سفر جاری رکھا۔ بعد میں ہیرے بیچ کر وہ بہت مالدار بن گئے۔ لیکن انہوں نے اس چور کو ہمیشہ یاد رکھا جس نے اپنی جان دے کر ان کی جان بچائی تھی۔

مہمان

بہت زمانہ ہوا ایک مادہ کھٹمل تھی
اس کے بہت سے بیٹے اور بیٹیاں
تھیں اور ان کی اپنی بھی کافی اولاد
تھی ۔ مادہ کھٹمل اپنے پورے خاندان کے
ساتھ ایک نہایت کشادہ اور خوبصورت
پلنگ میں رہتی تھی ۔ یہ پلنگ ایک
بادشاہ کا تھا۔

جب بادشاہ میٹھی نیند سو جاتا تھا



تو کھٹمل اور اس کا پریوار بادشاہ کا خون چوسا کرتا تھا۔ اسی طرح ان کی زندگی ہنسی خوشی گزر رہی تھی۔

ایک دن ایک مچھّر اڑ کر کمرے میں آگیا۔ اس نے بادشاہ کا پلنگ دیکھا جو بہت ہی نرم اور شاندار تھا۔ "کتنا قیمتی اور آرامدہ پلنگ ہے۔" اس نے دل ہی دل میں کہا۔ پھر وہ پلنگ پر بیٹھ گیا اور پلنگ پر بکھری ہوئی لطیف خوشبو کا مزا لیتا رہا۔

اتنے میں مادہ کھٹمل بھی آپہنچی۔ "تم کون ہو؟" مادہ کھٹمل نے مچھّر سے پوچھا۔ "تم کہاں سے آتے ہو؟ یہ بادشاہ سلامت کا پلنگ ہے۔ تم یہاں نہیں بیٹھ سکتے۔ فوراً دفع ہوجاؤ۔"

"محترمہ۔" مچھّر نے جواب دیا۔ "کسی مہمان سے یوں بات چیت نہیں کیا کرتے۔ میں تو ایک مسافر ہوں اور سفر کے دوران میں نے ان گنت لوگوں کا خون چکھا ہے لیکن اب تک کسی بادشاہ کا خون نہیں چکھ سکا ہوں۔ میرا خیال ہے کہ وہ

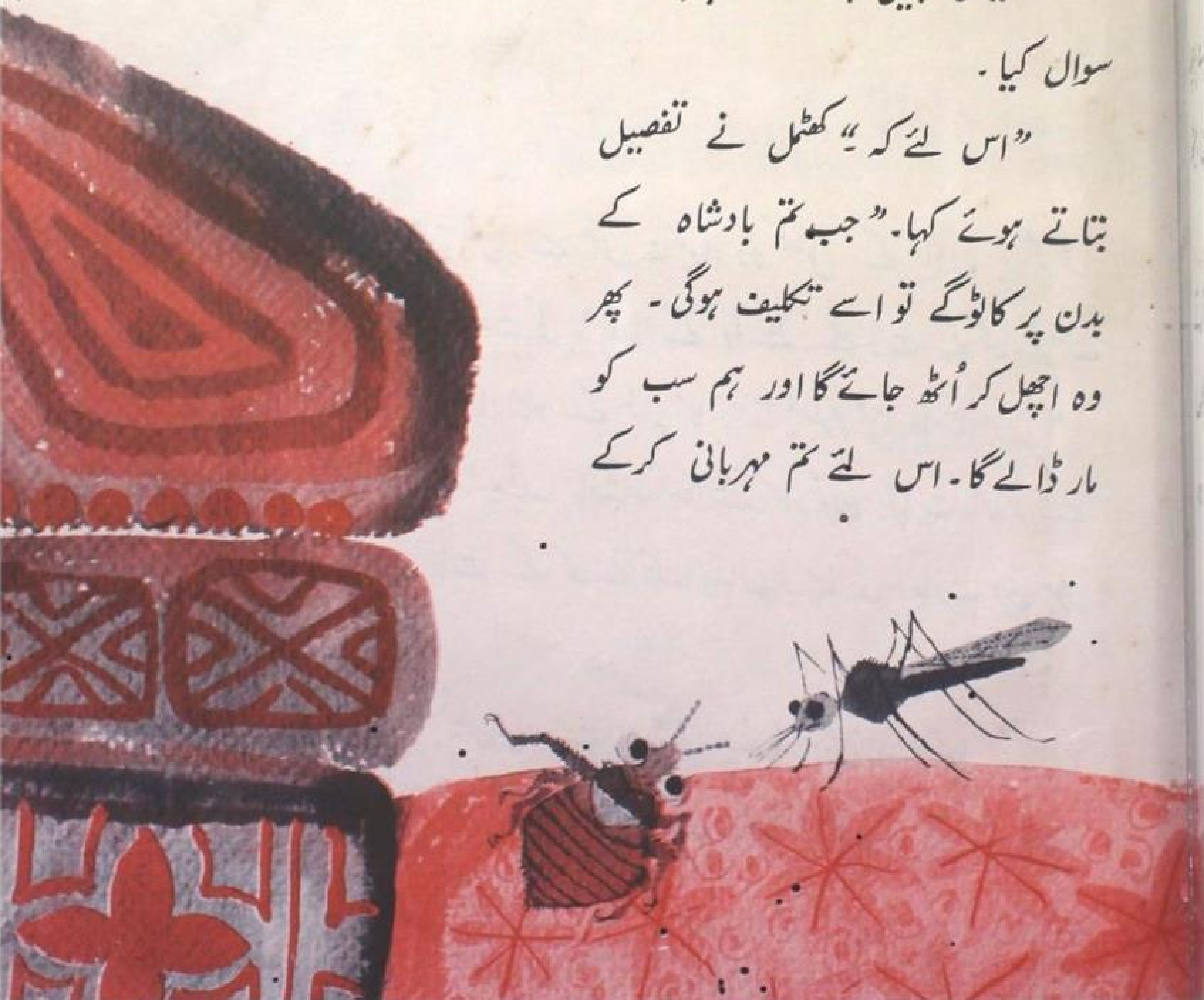


شہد کی طرح ہوگا۔ اب مجھے اپنا مہمان سمجھتے ہوئے۔ بادشاہ سلامت کا خون چکھنے کی اجازت دو۔"

"نہیں"، کھٹمل نے چیخ کر کہا۔ "ایسا نہیں ہوسکتا۔"

"کیوں نہیں ہوسکتا" مچھّر نے سوال کیا۔

"اس لئے کہ" کھٹمل نے تفصیل بتاتے ہوئے کہا۔ "جب تم بادشاہ کے بدن پر کاٹوگے تو اسے تکلیف ہوگی۔ پھر وہ اچھل کر اُٹھ جائے گا اور ہم سب کو مار ڈالے گا۔ اس لئے تم مہربانی کرکے



یہاں سے چلے جاؤ۔" لیکن مچھر ٹس سے مس نہ ہوا۔ وہ کھٹمل کے پاؤں پر گر گیا۔
"مہربانی کیجئے" اس نے درخواست کی۔ "خدا کے واسطے مجھے رات کے کھانے تک رُکنے کی اجازت دے دو۔ میں بادشاہ کے خون کا ذائقہ معلوم کرنا چاہتا ہوں۔"

کھٹمل کا دل پسیج گیا۔ "بیشک بادشاہ سلامت کا خون نہایت عمدہ ہے،" اس نے کہا۔ "میں تمہیں رات کے کھانے تک یہاں رہنے کی اجازت دیتی ہوں۔ لیکن ایک ہی بار۔"

مچھر بہت خوش ہوا۔ "لیکن یاد رہے،" کھٹمل نے ذرا سختی سے کہا "تمہیں کھانے کے لئے صحیح وقت اور صحیح جگہ کا خیال رکھنا ہوگا۔" مچھر نے کہا۔



”ٹھیک وقت اور مناسب جگہ کے بارے
میں آپ ہی بتادیں۔“
کھٹمل نے جواب دیا۔ ”ٹھیک
وقت وہ ہے جب بادشاہ سلامت کھانا
کھاچکیں۔ اور ساری شراب ختم کرچکیں
کیوں کہ اس کے بعد وہ گھوڑے بیچ
کر سو جاتے ہیں۔“

"بہت اچھا۔" مچھر نے کہا۔

"اور ٹھیک جگہ۔" مچھر نے اپنی بات جاری رکھتے ہوئے کہا۔ "بادشاہ کا پاؤں ہے۔ جب بادشاہ گہری نیند سو جائے تو تم ان کے پاؤں پر کاٹ لینا۔ انہیں کچھ خبر نہ ہوگی۔"

"بہت اچھا۔" مچھر نے اتفاق کرتے ہوئے کہا۔ "میں اس نکتہ کا پورا خیال رکھوں گا۔"

اس کے بعد کھٹمل اپنے گھر واپس چلی گئی۔



مچھر وہاں بیٹھ کر بادشاہ کا انتظار کرنے لگا۔ جونہی بادشاہ بستر پر لیٹا مچھر کے منہ میں پانی بھر آیا۔ "آہا" اس نے جھوم کر کہا۔ "آج بادشاہ کا خون رات کے کھانے میں ملے گا۔ یہ تو شہد ہوگا شہد۔"

مچھر نے کھٹمل کی بات بھلا دی۔ اسے ٹھیک وقت اور ٹھیک جگہ والی نصیحت کا خیال ہی نہ رہا۔ بادشاہ ابھی پوری طرح سو بھی نہ پایا تھا کہ مچھر نے اس کی گردن میں کاٹ لیا۔ بادشاہ اچھل پڑا۔ وہ بہت





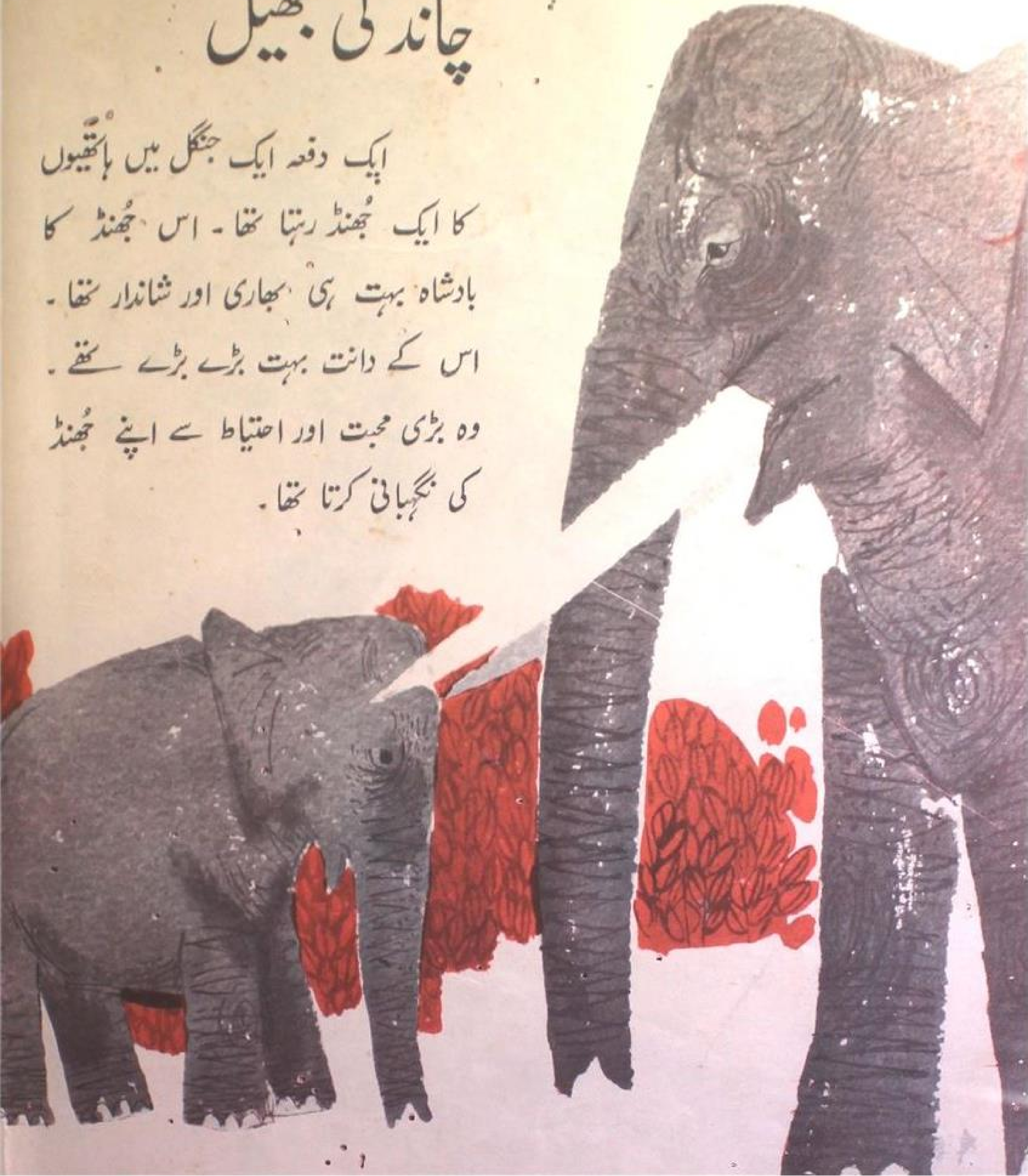
غصّے میں تھا۔ اس نے نوکروں کو آواز دی۔ "تم سبھی اِدھر آؤ۔" وہ گرجا مجھے کسی چیز نے کاٹ لیا ہے۔ ساری پلنگ کو چھان مارو۔ جو چیز ہاتھ آجائے اسے مار ڈالو۔"

بادشاہ کے ملازموں نے سارا پلنگ چھان مارا۔ مچھر تو اُڑ ہی گیا تھا۔ کھٹمل اور اس کا سارا خاندان ان کے ہاتھ لگ گیا۔ انہوں نے کھٹمل اس کے بیٹے بیٹیاں اور پوتے پوتیاں سب کو مار ڈالا۔ ایک کو بھی زندہ نہیں چھوڑا۔



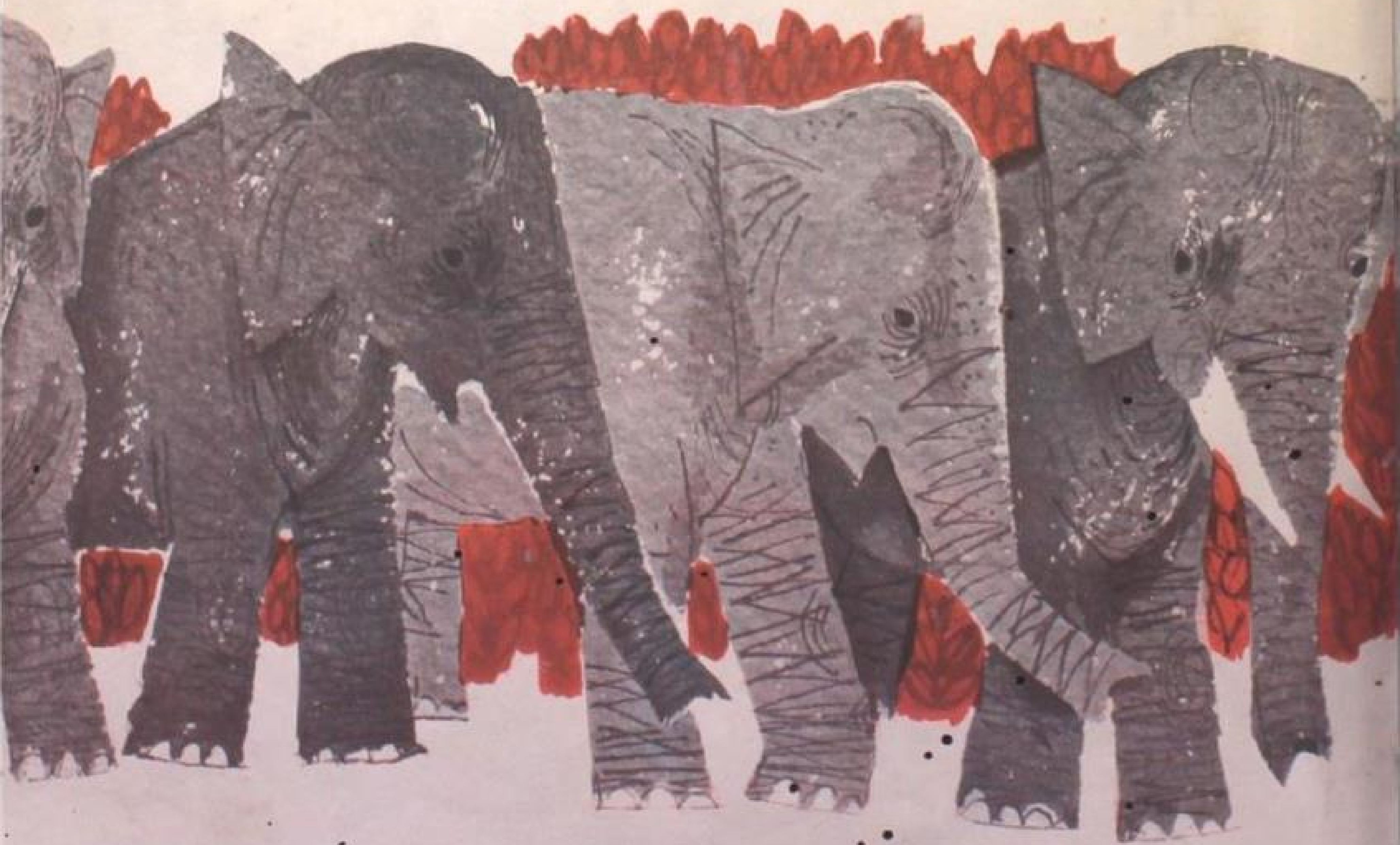
چاند کی جھیل

ایک دفعہ ایک جنگل میں ہاتھیوں کا ایک جُھنڈ رہتا تھا۔ اس جُھنڈ کا بادشاہ بہت ہی بھاری اور شاندار تھا۔ اس کے دانت بہت بڑے بڑے تھے۔ وہ بڑی محبت اور احتیاط سے اپنے جُھنڈ کی نگہبانی کرتا تھا۔



ایک بار جنگل میں سوکھا پڑگیا۔ کیوں کہ چند برسوں سے وہاں بارش نہیں ہوئی تھی۔ وہاں کے سارے تالاب اور دریا سوکھ گئے تھے۔

سب ہی جانور اور پرندے پیاس سے مرنے لگے۔ بہت سارے تو پانی کی تلاش میں اس جنگل کو چھوڑ کر ہی چلے گئے۔ جنگلی ہاتھیوں کو بھی پانی کی قلّت کا شکار ہونا پڑا۔ ہاتھیوں کے بادشاہ نے محسوس کیا کہ اگر ان کو جلد ہی پانی نہ ملا تو اس کے بہت سے ہاتھی مرجائیں گے۔ چنانچہ اسے جلد سے جلد پانی تلاش کرنا تھا۔ اس نے کچھ ہوشیار



ہاتھیوں کو بلایا اور ان کو پانی کی تلاش میں اِدھر اُدھر بھیج دیا۔

جلد ہی ایک گروہ واپس لوٹ آیا۔ انہوں نے بتایا کہ کچھ فاصلہ پر ایک جنگل ہے اور اس جنگل میں ایک بہت بڑی جھیل ہے جو پانی سے بھری ہوئی ہے۔

یہ سُن کر بادشاہ خوش ہوا۔ اس نے سبھی ہاتھیوں کو بُلا کر وہاں جانے کا حکم دیا۔

جنگل کے بیچوں بیچ ایک بہت بڑی اور خوبصورت جھیل بنی ہوئی تھی۔ جھیل کے کنارے پر بہت سے خرگوش رہتے تھے۔ ہاتھیوں کو خرگوشوں کی اس آبادی سے گزرنا تھا۔ جیسے ہی وہ وہاں سے گزرے، ہزاروں خرگوش مارے گئے اور ہزاروں زخمی ہوئے۔

خرگوش بہت پریشان ہوئے۔ ان کے بادشاہ نے ایک جلسہ بلایا اور کہا۔ "ہاتھیوں کا ایک جُھنڈ ہماری آبادی میں سے گزرا ہے۔ انہوں نے





ہمارے ہزاروں ساتھی مار ڈالے ہیں یا زخمی کر ڈالے ہیں۔ ہمیں فوراً کوئی ایسی ترکیب کرنی چاہیئے کہ ہمارے کسی اور ساتھی کو کوئی نقصان نہ پہنچے۔ میں چاہتا ہوں تم سب سوچ کر بتاؤ کہ اپنی نسل کو بچانے کے لئے کیا کیا جائے؟"

سبھی خرگوش سوچنے لگے۔ مگر کسی کے سمجھ میں نہیں آیا کہ ہاتھیوں کو کس طرح روکا جائے کہ وہ دوبارہ اِدھر سے نہ گزریں۔

ان میں چھوٹا سا خرگوش تھا جو بڑا تیز اور سمجھ دار تھا۔ اس نے کھڑے ہو کر کہا۔ "عالم پناہ اگر آپ مجھے ایلچی بنا کر ہاتھیوں کے بادشاہ کے پاس بھیجیں تو میں سب کی سلامتی کے لئے کچھ نہ کچھ کرنے کی کوشش کروں گا۔"



"بہت اچھا"، بادشاہ نے کہا۔
"ضرور جاؤ۔ میرے ایلچی بن کر جاؤ۔
اور اگر کچھ کر سکتے ہو تو کرو۔"

ننھا خرگوش ہاتھیوں کے بادشاہ
سے مِلنے کے لئے گھر سے نکل پڑا۔
اس نے دیکھا کہ بادشاہ بڑے ہاتھیوں
سے گِھرا ہوا ہے۔ وہ بڑی آن بان سے
جھیل سے واپس آرہے تھے۔

اس نے سوچا اگر ایسی حالت
میں بادشاہ کے پاس گیا تو ہاتھیوں کے
پاؤں سے کچل کر مارا جائے گا۔



ننھے خرگوش نے تھوڑی دیر سوچا اور پھر یکایک ایک اونچی سی چٹان پر چڑھ گیا۔

"اے ہاتھیوں کے بادشاہ۔" اس نے زور سے چلاّ کر کہا۔ "مہربانی کرکے میری بات سُن لے۔"

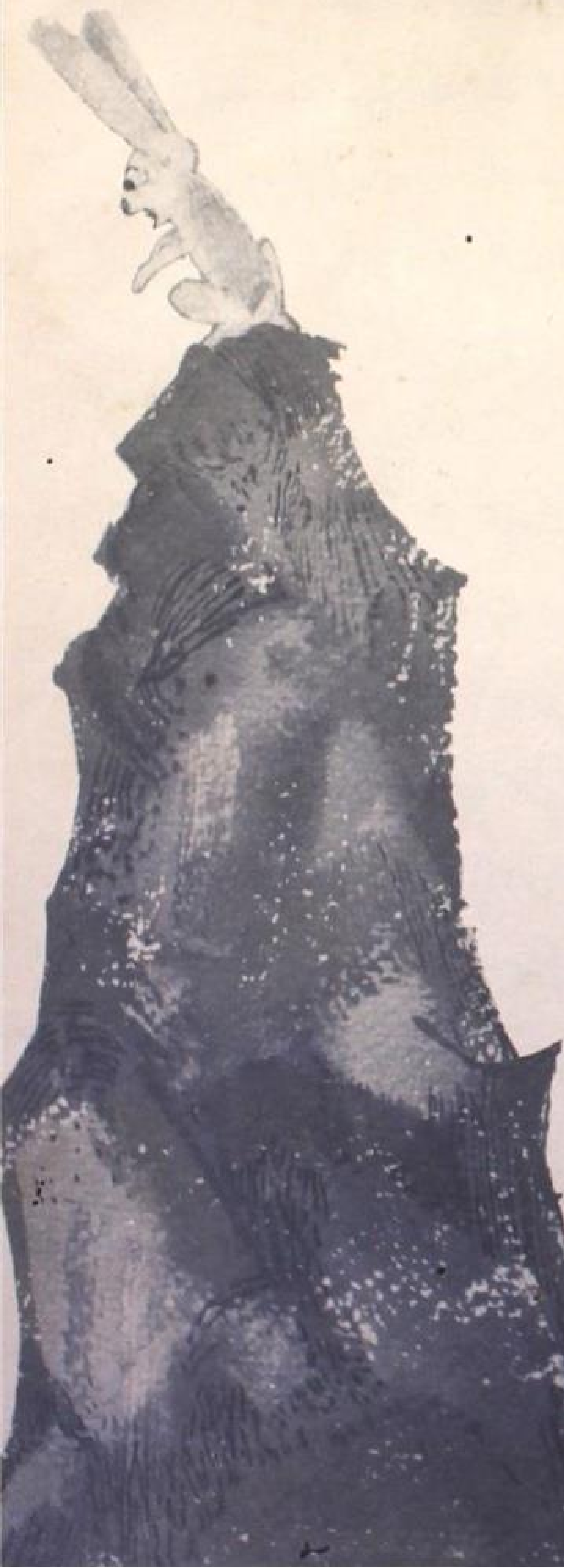
ہاتھی بادشاہ نے اس کی آواز سن لی۔ اس نے ننھے خرگوش کی طرف دیکھا۔

"اچھا۔ تم کون ہو؟" اس نے پوچھا۔

"میں ایک ایلچی ہوں۔" خرگوش نے جواب دیا۔

"ایلچی؟ کس کا ایلچی؟" ہاتھی بادشاہ نے پوچھا۔





"میں چاند دیوتا کا ایلچی ہوں"
خرگوش نے جواب دیا۔ "میں عظیم چاند
کی خدمت کرتا ہوں۔ چاند ہی نے
مجھے آپ کے پاس بھیجا ہے"۔

"بہت خوب!" بادشاہ نے کہا۔
"تم کس لئے آئے ہو؟ کیا چاند نے
میرے لئے کوئی پیغام بھیجا ہے؟"

"جی ہاں عالم پناہ" خرگوش نے
جواب دیا۔ "لیکن آپ مجھ سے خفا نہ
ہوں۔ آپ جانتے ہیں کہ ایلچی کو پیغام
پہنچانے پر سزا نہیں دی جاتی ہے۔
پیغام پہنچانا تو اس کا فرض ہے"۔

"بہت خوب" ہاتھی بادشاہ نے
دوبارہ کہا۔ "تمہیں جو کچھ کہنا ہے کہہ
ڈالو۔ میں تمہیں کوئی نقصان نہیں
پہنچاؤں گا"۔

"حضور۔" ننھے خرگوش نے کہنا شروع کیا۔" چاند نے مجھے یہ بات آپ سے کہنے کے لئے بھیجا ہے۔"

"تم ہاتھیوں کے بادشاہ ہو۔ تم اپنے ہاتھیوں کا جھنڈ میری مقدس جھیل پر لائے اور اس کے پاکیزہ پانی کو خراب کردیا۔ تم نے ہزاروں خرگوشوں کو روند کر مار ڈالا۔

"تم خوب جانتے ہو کہ خرگوش میری حفاظت میں ہیں اور ہر خرگوش جانتا ہے کہ خرگوش بادشاہ میرے ساتھ رہتا ہے۔

"میں تم سے کہتا ہوں کہ آئندہ کسی خرگوش کو نہ مارنا۔ ورنہ تم پر اور تمہارے جھنڈ پر کوئی نہ کوئی مصیبت آئے گی۔"

ہاتھی بادشاہ کے دل میں ڈر بیٹھ گیا۔ اس نے خرگوش کو غور سے دیکھا۔

"شاید سچ ہو۔" اس نے کہا۔" آتے وقت بہت سے خرگوش مارے گئے ہوں گے۔ لیکن میں اس کا خیال رکھوں گا کہ آئندہ ایسا نہ ہو۔ میں چاند سے اپنے گناہوں کی معافی کی درخواست کرتا ہوں۔ مجھے بتاؤ کہ اب میرے لئے کیا حکم ہے؟"

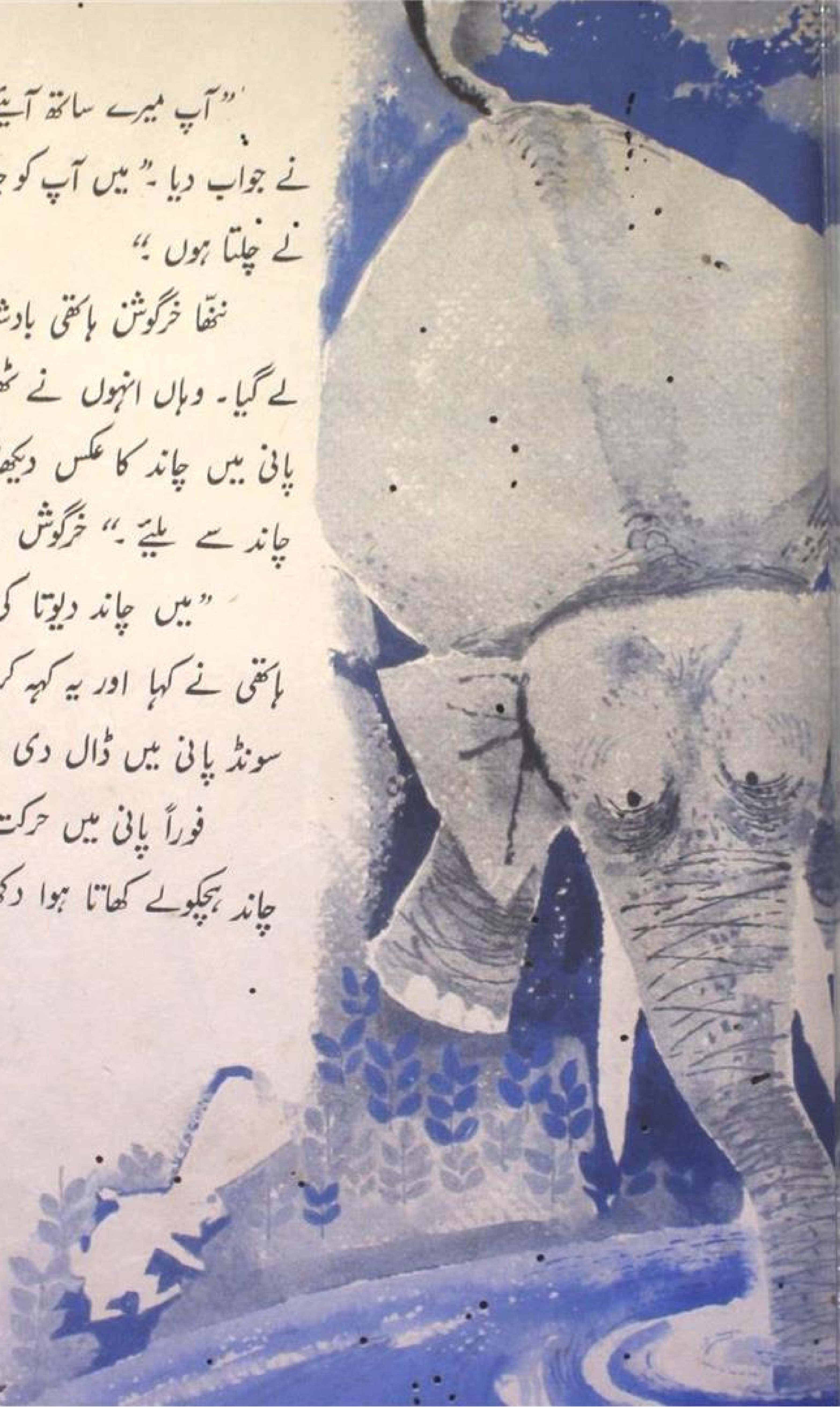


"آپ میرے ساتھ آیئے" خرگوش نے جواب دیا۔ "میں آپ کو چاند کے پاس لے چلتا ہوں"

ننّھا خرگوش ہاتھی بادشاہ کو جھیل پر لے گیا۔ وہاں انہوں نے ٹھہرے ہوئے پانی میں چاند کا عکس دیکھا۔ "لیجیے۔ چاند سے ملیے۔" خرگوش نے کہا۔

"میں چاند دیوتا کی پوجا کروں گا" ہاتھی نے کہا اور یہ کہہ کر اس نے اپنی سونڈ پانی میں ڈال دی۔

فوراً پانی میں حرکت پیدا ہوئی اور چاند ہچکولے کھاتا ہوا دکھائی دیا۔



خرگوش نے کہا۔ ”اب تو چاند آپ سے ناراض ہوگیا ہے۔“

”کیوں بادشاہ نے پوچھا۔ ”مجھ سے کیا خطا ہوئی ہے؟“

”آپ نے جھیل کے متبرک پانی کو چھوا ہے۔“ خرگوش نے جواب دیا۔

ہاتھی نے سر جھکالیا اور کہنے لگا۔
"میری خطا معاف۔ اے خرگوش! مہربانی کرکے چاند سے کہو وہ مجھے معاف کردے۔ آئندہ کوئی بھی ہاتھی جھیل کے متبرک پانی کو نہیں چھوئے گا۔ آئندہ کوئی بھی ہاتھی چاند کے پیارے پیارے خرگوشوں کو نقصان نہیں پہنچائے گا۔"

اس کے بعد ہاتھی بادشاہ اور اس کے ہاتھیوں کا جھنڈ وہاں سے روانہ ہوگیا۔ کچھ ہی دیر بعد بارش ہوگئی۔ سبھی ہاتھی خوشی خوشی رہنے لگے۔ انہیں کبھی خیال نہ آیا کہ ایک ننھے خرگوش نے انہیں بدھو بنایا ہے۔

